جلد 14 شمارہ 3 فروری 2012ء ربیع اوّل 1433ھ
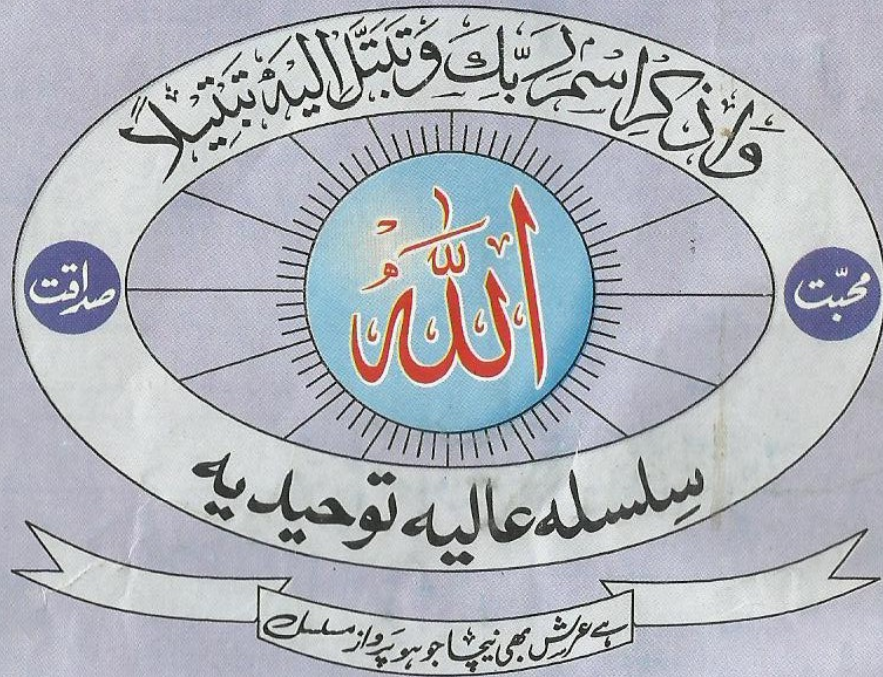
ماہنامہ

منشور دعوت

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا كُلٌّ فِی كِتَابٍ مُّبِینٍ

(هود۔6)

ترجمہ

زمین پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اِسکا رزق اللہ کے ذمے ہے۔
وہ اس کے مستقل اور عارضی ٹھکانے کو جانتا ہے۔
سب کچھ کتاب روشن میں ہے۔

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا خان

نائب مدیر : سید رحمت اللہ توحیدی

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق
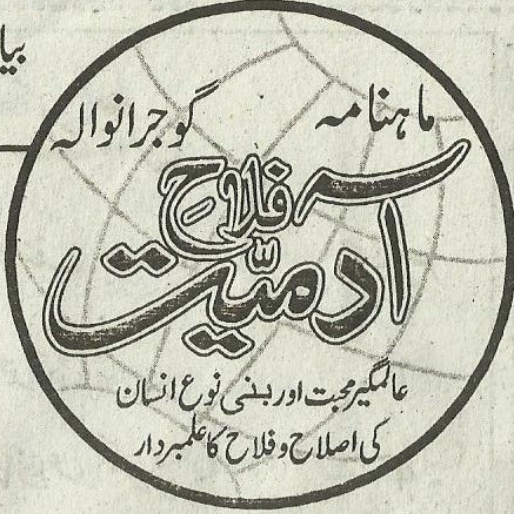
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942
فیکس نمبر: +92-55-3736841
ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ——— 30/- روپے
سالانہ فنڈ ——— 300/- روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

دل کی بات

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی نے امسال بھی اپنی ضعف عمری کے باوجود اکثر و بیشتر حلقہ جات کا سالانہ دورہ کیا۔ قبلہ بابا جان کی آمد سے ہر حلقہ میں جوش و خروش نظر آتا ہے، کئی دوست احباب ملاقات کیلئے آتے ہیں۔ انہیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات سے مختصر شناسائی ضرور ہو جاتی ہے۔ یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تصوف میں کسی بھی سلسلہ تصوف کی تعلیمات سے تعارف کے بعد اِن تعلیمات پر عمل کا مرحلہ ہے۔ اور اِن پر عمل کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیا تعلیمات ہیں۔ وگرنہ دینی موضوعات پر سننے کیلئے باتوں کی ہمارے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔

قبلہ بابا جان کے سالانہ دورہ جات کے بعد اِن کے اثرات کو دیرپا یا زندہ رکھنا ہمارا کام ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم خود بھی عملی میدان میں جوش و ولولہ سے آگے بڑھتے جائیں اور اپنے پیاروں کی بھی درست سمت میں راہنمائی کریں۔ صرف قبلہ بابا جان سے ملاقات کرا دینا کافی نہیں ہے۔ ہمیں کسی کو کہہ کر سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں نہ تو بیعت کرانا ہے اور نہ ہی ہمیں اِس کی اجازت ہے۔ مگر دعوت پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ ذکر اذکار کے تعارف کے بعد کم از کم دو تین ماہ یہ ذکر اذکار کرنے سے اصلیت واضح ہو جاتی ہے اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات کے ثمرات بہت جلد نظر آنے لگتے ہیں۔ ہمارے اپنے لئے جائزہ لینے اور عملی طور پر دعوتی میدان میں قدم رکھنے کیلئے نقطۂ آغاز یہ ہو سکتا ہے کہ کیا ہم اپنی تمام تر محبت اور ہمدردی سے کسی پر اتنا اثر رکھتے ہیں کہ وہ ہماری بات مان کر صرف دو تین ماہ کیلئے روزانہ صرف پندرہ منٹ ذکر نفی اثبات اور اپنے فارغ اوقات میں کہیں آتے جاتے یا جب کچھ بھی نہ کر رہا ہو تو ذکر پاس انفاس کو اپنا معمول بنا لے۔ اگر

ہم اتنا کر سکتے ہیں تو ہم اپنے اوپر عائد دعوتی ذمہ داری میں سرخرو ہو گئے۔

انہیں دو تین ماہ میں ذکر اذکار کرتے ہوئے کوئی پسند کرے تو اِسے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا مکمل تعارف کرایا جا سکتا ہے۔ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصانیف تعمیر ملت، چراغ راہ اور حقیقت وحدت الوجود میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات کا بہترین تعارف موجود ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے ذکر اذکار، عقائد اور ضوابط وغیرہ، طریقت توحیدیہ میں تحریر ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی حیات، ملفوظات اور خطوط کا سب سے بڑا ذخیرہ ''فرمودات فقیر'' میں موجود ہے۔ یہ مواد سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے تعارف کیلئے کافی ہے۔ جو دوست احباب مزید مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں، اِن کیلئے شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی کے سالانہ خطبات کا مجموعہ بعنوان ''مقصودِ حیات'' بہترین کتاب ہے۔ جس کے ہر صفحے پر واضح ہو جاتا ہے کہ جیسے ظاہری و باطنی بصیرت کے حامل صاحب علم و تحقیق اور صحوی تصوف یعنی تصوف بیدار کی تعلیمات دینے والے مرشد کا تصور بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دیا ہے وہ آج الحمدللہ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔

اگر ہم اِسی دعوتی اسلوب سے آگے بڑھیں گے تو یاد رہے کہ اس پر مہر تصدیق ثبت ہے کہ بہترین بات اللہ کی بات اور بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ اگر بات صرف باتوں تک رہ گئی، عملی میدان میں کچھ نہ ہو سکا، ہم کسی کو بھی اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے پیار کی راہ پر راہنمائی نہ کر سکے تو ہمیں مت بھولنا چاہیے کہ ہم شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی کے دورہ جات کی مقصدیت کو نہیں پا سکے اور ان کے اثرات کو کلی طور پر سمیٹنے میں ناکام رہے ہیں۔

ایک مزید بات:۔گزشتہ سال سالانہ کنونشن کے موقع پر ادارہ فلاح آدمیت نے خاص نمبر بعنوان ''کارواں نمبر'' شائع کیا جسے قارئین کی جانب سے بے حد پسند کیا گیا۔گزشتہ برس کے برعکس اِس مرتبہ آپ قارئین نے اِس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ کیا اِس مرتبہ بھی مجلّہ فلاح آدمیت کا کوئی خاص نمبر آنا چاہیے؟اگر آپ خاص نمبر کی اشاعت کی حمایت کرتے ہیں تو آپ کی رائے درکار ہے کہ اِس خاص نمبر کی اشاعت کی تجویز کن خیالات سے مزین کر کے آگے بڑھائی جائے۔اِس مندرجات میں کن عنوانات کو شامل کیا جائے۔ہماری ترجیحات میں ایسے عنوانات ہیں جو غیر روایتی اور ہمیشہ تر و تازہ رہنے والے ہوں۔جو مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں سے ہر ایک کی دلچسپی کا موجب اور محور ہوں۔آپ کی طرف سے آراء کا اِنتظار رہے گا۔

والسلام

احمد رضا خان

مدیر

اطلاع

چوک اعظم (لیہ) کے بھائی لیاقت علی صاحب کی والدہ اور کوجرانوالہ کے بھائی اللہ رکھا شاہ کی والدہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔تمام بھائی اِنکی مغفرت کیلئے دُعا کریں۔

شکریہ

مجالس فقیر

(حافظ عبدالکریم)

شیخ سلسلہ باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا فیضان صحبت اپنی تاثیر میں جادو اثر رکھتا ہے دل چاہتا ہے ایک منٹ کیلئے بھی باباجی سے جدا نہ ہوں ان کی ہر بات دل پر نقش کر لینے کے قابل ہوتی ہے غفلت دور ہوتی نظر آتی ہے جو دلوں کے بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔ باباجی کے دورہء ملتان مورخہ 20.11.2011 کو فہد محمود نے باباجی اور تمام پیر بھائیوں کو اپنے گھر ناشتہ پر مدعو کیا۔ جہاں ناشتہ کے بعد سید محمد امین شاہ صاحب نے سلسلہ کا تعارف اور ذکر کا طریقہ بیان کیا۔ بعد ازاں شعیب کھیڑا نے باباجی سے سوال پوچھا کہ "محبت کو صداقت پر قربان کرنے کی کیا حقیقت ہے"؟ جس پر باباجی نے فرمایا حق کی بات کرو۔ جو جج صاحبان ہیں جو حاکم ہیں ان کیلئے تو زیادہ ضروری ہے کہ حق بات کریں۔ حق بات نہ کر کے ہم کمزور ہو گئے ہیں۔ تفرقہ بازی میں نہیں پڑنا چاہیے جس کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے سلام ہی نہیں لیتے یہ وہابی ہے! یہ بریلوی ہے! یہ دیوبندی ہے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیں رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت سب سے پیاری ہے جنہوں نے ایک ایک کلمہ پڑھانے کیلئے کتنی مصیبتیں اٹھائیں۔ جو اس امت میں تفرقہ ڈالتا ہے وہ کبھی رسول ﷺ کو پیارا نہیں ہو سکتا۔ جو امت کو اکٹھا کر کے رکھے گا جو باہمی محبت ڈالے گا وہی رسول ﷺ کو پیارا ہوگا۔

محبت ہی سے پائی ہے شفاء بیمار قوموں نے
اپنے بخت خفتہ کو کیا بیدار قوموں نے

(اقبال)

جب کسی قوم میں محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا بخت بھی جاگ اٹھتا ہے انسان کی خدمت کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے مومن اپنا حلال کا، محنت کر کے کمایا ہوا مال بھی اللہ کی راہ میں دے دیتا ہے۔ زکواۃ کیا ہے۔ یہی تو ہے کہ حلال کا کمایا ہوا دیدو۔ جو اپنا کمایا ہوا دیتا ہے بھلا وہ کسی کا

کیسے چھین سکتا ہے! یہ جو کہتے ہیں کہ مال پاک ہو جاتا ہے محنت سے کمایا ہوا مال تو پاک ہی ہوتا ہے۔ زکواۃ دینے سے مال پاک نہیں ہوتا بلکہ بندہ دولت کی محبت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اللہ آپ کو پاک کرتا ہے آپکے دل کو پاک کرتا ہے تا کہ آپ کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور اس میں کوئی نہ ہو۔ صبح کی نماز کے وقت لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں میٹھی نیند کا ٹائم وہی ہوتا ہے اس وقت بڑی سخت نیند آتی ہے۔ صرف مومن ہی اٹھتے ہیں بستروں کو چھوڑ کر۔ الصلواۃ خیر من النوم پر مومن دوڑتا ہے۔ وہ عملی ثبوت دیتا ہے کہ مجھے اللہ پیارا ہے مجھے نیند پیاری نہیں ہے۔ علامہ نے جواب شکوہ میں کہا ہے کہ

کس قدر گراں تجھ پر صبح کی بیداری ہے

ہم سے کہاں پیار ہاں نیند تمھیں پیاری ہے

مسلمان میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے! جس نے صبح اٹھ کر نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں کی بڑی میٹھی نیند آرہی ہے کیوں نہ آئے رات کو ایک ایک بجے تک جاگتا رہتا ہے۔ حضورﷺ نے منع کیا ہے کہ "عشاء کے بعد مجلسیں مت جماؤ" عشاء پڑھو اللہ کی محبت کے اشتیاق میں ہی سو جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ میری یاد کا ہی غلبہ رہے اللہ کو یاد کر کے سوؤ صبح اٹھ کر پہلا کام نماز ہوتا کہ اس کے ذکر کا غلبہ رہے۔ بار بار Repeatation اسی لئے ہے۔ اللہ کی محبت کو بڑھانے کیلئے روزانہ وقفہ وقفہ سے نماز پنجگانہ فرض ہیں جبکہ دیگر فرائض حج روزے سال بعد آتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا کہ ساری نمازیں صبح اکٹھی پڑھ لو ایسا نہیں کر سکتے صلواۃ جو Time Interval کے ساتھ فرض کی گئی ہے تا کہ سارا کچھ فریش رہے دین کی بات، آخرت، اللہ تعالیٰ اور صراط مستقیم۔ اللہ فرماتا ہے کہ میرا خیال، میرا ذکر تازہ رہنا چاہیے ذرا سا بھی نیچے (Subside) نہ ہو۔ انسانی ذہن میں باتیں بھولتی بھولتی بھول جاتی ہیں Subconcious میں چلی جاتی ہیں یہ سارے ذکر اذکار اس لیئے ہیں کہ اللہ سے تعلق مضبوط تر ہو جائے اس لئے ذکر کے متعلق بھی کہا کہ ذکر کثرت سے کرو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرو تا کہ وہ اللہ نگاہ میں رہے جو اللہ کی محبت میں زیادہ بڑھنا چاہتے

ہیں انہیں زیادہ ذکر کرنا چاہیے۔ہم اولیاء کرام کے واقعات سنتے ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم بھی ان جیسے بن سکتے ہیں! ہاں بالکل بن سکتے ہیں اس کیلئے آپکو وہی کرنا پڑے گا جو انہوں نے کیا برنارڈ شا کا قول ہے ."What man has done" man can do کسی آدمی نے کچھ کیا وہ آپ بھی کرسکتے ہیں کسی نے K-2 فتح کیا آپ بھی کرسکتے ہیں کسی نے اور کام کیا آپ بھی کرسکتے ہیں قبلہ انصاریؒ صاحب نے تاریخ میں پہلی دفعہ فقیری کا سلیبس "طریقت توحیدیہ" لکھی اس سے قبل کسی بزرگ نے فقیری کا سلیبس نے نہیں لکھا۔ان کے حالات تو ملیں گے انکی کرامات کے تذکرے بھی ملیں گے لیکن یہ نہیں ملے گا کہ انھوں کیا کیا، کیسے کیا؟ کس طرح انہوں نے روحانی مقامات حاصل کیے۔اگر ہم اس لائن میں آنا چاہیں تو ہمیں کیا کرنا پڑیگا۔انصاریؒ صاحب نے طریقت توحیدیہ لکھ دی ہے جن کو شوق ہو اس تعلیم کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالٰی نے جو فقر رسول اللہ ﷺ سکھاتے تھے اس کا علم دیا ہے اور بعد میں جو چیزیں تصوف میں شامل ہوئیں اس کا بھی مجھے علم دیا گیا میں نے خالص عربی تصوف جو قرآن وسنت کے مطابق ہے نکال کر اس سلیبس میں رکھ دیا ہے جو بالکل مختصر ہے فی زمانہ لوگ مصروف ہو گئے ہیں جیسا زمانہ ہوتا ہے ویسی تعلیم ہوتی ہے آج لمبے لمبے وظیفے کون کریگا اللہ کی محبت کو بڑھانے کیلئے ہر وقت پاس انفاس کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ اسے ہر وقت یاد رکھا جائے قرآن میں حکم ہے، اے اہل ایمان! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔دن کی مصروفیات کا حساب کیا جائے تو ذکر زیادہ نکلے۔اور تاکید کی گئی ہے کہ پہلے ذکر کر کے دیکھو اس سے فائدہ ہو تب بیعت کیا جائے۔فرمایا لوگ پیر ٹیسٹ کرتے ہیں میں مرید ٹیسٹ کروں گا کہ واقعی اسے اللہ کی طلب ہے یا ویسے ہی آ گیا ہے کہ پیر بن جاؤں گا میرے بھی مرید ہونگے نذر نیاز ہوگی ایسا تو نہیں ہے واقعی سچی طلب والا ہے آپؒ چھ مہینے سے پہلے کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔وہ ذکر کرے اور ہمیں دیکھ لے اور ہم بھی اسے دیکھ لیں پھر بیعت کی جائے گی۔وہ خود کہے

کہ ذکر سے تصفیہ قلب ہوگیا ہے یعنی دل صاف ہوگیا ہے۔ ہمارے ایک پیر بھائی کرنل غلام محمد لاہور میں باباجی قبلہ انصاری صاحبؒ کے پاس آئے اور کہا کہ باباجی میرا دل بڑا سخت ہے پتھر کی طرح ہے اور کالا سیاہ ہوگیا ہے یہ ہوگیا ہے وہ ہوگیا ہے۔ باباجیؒ نے فرمایا کوئی بات نہیں کالا ہوگیا تو کیا ہوا میں بھی ایسا ویسا پیر نہیں ہوں ماڈرن فقیر ہوں میرے پاس بھی کیمیکل کلینر ہیں۔ اس کو کہا کہ چالیس دن باوضو 10 تسبیح درود شریف **صلی اللہ علیک یا رسول اللہ** پڑھو پھر میرے پاس آنا۔ کرنل صاحب دوسرے ہفتہ ہی آگئے اور کہا کہ باباجی الحمد اللہ میرا دل صاف ہوگیا ہے۔ بزرگوں کے کہنے کی برکت ہوتی ہے اور ساتھ فیض بھی دیتے ہیں اور اللہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ دل پاک کرنے کا مطلب ہے مانجھنا۔ رگڑ کے صاف کرنا۔ تا کہ اندر سے پتہ لگ جائے کہ سونے کا ہے یا پیتل کا ہے اولیاء اللہ کی صحبت سے ہی تزکیہ ہوجاتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ "فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز ادا کی" 1۔ تزکیہ 2۔ رب کا ذکر 3۔ نماز۔ قرآن کی رو سے یہ بات غلط ہے کہ جو نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی ذکر ہے اور علیحدہ ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس ذکر ہی ہماری نماز ہے اور نماز کی ضرورت نہیں۔ تینوں مذکورہ کام کرنے ہیں۔ تزکیہ بھی ہونا چاہیے رب کے نام کا ذکر اور نماز بھی ہونی چاہیے ہم بچوں کو اچھے اسکولوں میں کیوں داخل کرتے ہیں اس لئے کہ وہاں استاد اچھے ہیں اور ان کا کیا کہنا جن کے استاد سید المرسلین ﷺ ہوں انبیاء کیوں خواہش کرتے تھے کہ ہم وہ زمانہ پائیں جس میں حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا ایسا کیوں؟ نبی نبی ہوتا ہے اُمتی اُمتی ہوتا ہے کوئی بھی اُمتی نبی کے برابر نہیں ہوتا ہے اولوالعزم پیغمبر بھی حضور ﷺ کی امت میں آنے کی خواہش اور دعا کرتے تھے کیوں کہ وہ کامل استاد کو دیکھ سکیں جو خُلق عظیم پر فائز ہے۔ حضور ﷺ کی اُمت کی ہر چیز علیحدہ ہے ان کے مقامات جنتیں بھی علیحدہ ہیں ترقی بھی ایسے ہوگی جیسے حضور ﷺ کو معراج ہوا ایسا کسی نبی کو نہیں ہوا کہتے ہیں استاد جب پہنچ جاتا ہے تو پیچھے

آنے والوں کیلئے راستہ صاف ہوجاتا ہے جب حضورﷺ معراج پرتشریف لے گئے تو آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ اپنی اُمت کو میری طرف سے سلام کہنا اور پیغام بھی دینا کہ جنت بڑی وسیع ہے جو آپ کو ملے گی اور اسکی زمین بھی بڑی زرخیز ہے اور اپنی امت کو کہنا کہ اس جنت میں اللہ کے ذکر سے اپنے لئے باغات لگائیں جیسے کوئی بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کیلئے ایک پودا لگادیا جاتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی شان کا اظہار ہوتا ہے اور جب اللہ اکبر کہتا ہے ایک اور قسم کا پودا لگادیا جاتا ہے اور الحمد اللہ جیسے جیسے وہ ذکر کرتا ہے ویسے پودے لگتے جاتے ہیں اور کہا کہ جب آؤ تو باغات لگے ہوں زمین خالی نہ پڑی ہو۔اپنی اُمت کو پیغام دے دو ذکر ایسی چیز ہے۔حضورﷺ نے فرمایا کہ نیک روحیں جنت میں چلی جائیں گی اور گناہ گار مسلمانوں کی روحیں بھی سزا بھگت کر جنت میں چلی جائیں گی جنہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اعمال اتنے اچھے نہیں کئے وہ سزا بھگتیں گے تو گناہ جل جائیں گے مستقل تو وہ رہ جائیں گے جو پکے کافر تھے حضورﷺ نے فرمایا کہ جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور جو سب سے آخر میں داخل ہوگا وہ مجھے دکھائی دے رہا ہے۔بابا جی کا روح پرور بیان اختتام پذیر ہوا بعد میں بابا جی امین شاہ صاحب کے گھر تشریف لے گئے اور رات کو بابا جی نے محمد یعقوب خان صاحب ،امین شاہ صاحب، خالد محمود صاحب، حافظ عبدالکریم صاحب ،محمد قاسم صاحب، فہد محمود ،شہزاد محمود، محمد عاصم و دیگر پیر بھائیوں کے ہمراہ فیصل خان کی دعوت ولیمہ (Holiday inn) ہوٹل ابدالی روڈ میں شرکت کی ۔

ولادتِ باسعادت اور حیاتِ طیبہؐ کے چالیس سال

(مولانا صفی الرحمٰن) مبارکپوری

ولادتِ باسعادت رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر 9 ربیع الاول ۱ عام الفیل یوم دوشنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ اِس وقت نوشیرواں کا تخت نشینی کا چالیسواں سال تھا اور ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ تھی۔ علامہ محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوریؒ اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق یہی ہے۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے فرمایا: "جب آپ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محل روشن ہو گئے۔ امام احمدؒ نے حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے بھی تقریباً اِسی مضمون کی ایک روایت نقل فرمائی ہے۔

بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ ولادت کے وقت بعض واقعات نبوت کے پیش خیمے کے طور پر ظہور پذیر ہوئے، یعنی ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگورے گر گئے۔ مجوس کا آتش کدہ ٹھنڈا ہو گیا۔ بحیرہ سادہ خشک ہو گیا اور اِس کے گرجے منہدم ہو گئے۔ یہ بیہقی کی روایت ہے۔ لیکن محمد غزالی نے اِس کو درست تسلیم نہیں کیا ہے۔

ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے عبدالمطلب کے پاس پوتے کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں و فرحاں تشریف لائے اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، اس کا شکر ادا کیا اور آپ کا نام محمد تجویز کیا۔ یہ نام عرب میں معروف نہ تھا۔ پھر عرب دستور کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا۔

آپ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ اِس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسروح تھا۔ ثویبہؓ نے آپؐ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپؐ کے بعد ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔

بنی سعد میں عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کیلئے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے جسم طاقتور

اور اعصاب مضبوط ہوں اور اپنے گہوارہ ہی سے خالص اور ٹھوس عربی زبان سیکھ لیں۔ اِسی دستور کے مطابق عبدالمطلب نے دودھ پلانے والی دایہ تلاش کی اور نبی ﷺ کو حضرت حلیمہؓ بنت ابی ذُویب کے حوالے کیا۔ یہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک خاتون تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ اور کنیت ابو کبشہ تھی اور وہ بھی قبیلہ بنی سعد ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حارث کی اولاد کے نام یہ ہیں جو رضاعت کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کے بھائی بہن تھے۔ عبداللہ، انیسہ، حذافہ یا جذامہ، انہیں کا لقب شیما تھا اور اِسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔ اِن کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے وہ بھی حضرت حلیمہؓ کے واسطے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی دودھ پلانے کیلئے بنو سعد کی ایک عورت کے حوالے کئے گئے تھے۔ اِس عورت نے بھی ایک دن جب رسول اللہ ﷺ حضرت حلیمہؓ کے پاس تھے آپ کو دودھ پلا دیا۔ اِس طرح آپ اور حضرت حمزہؓ دوہرے رضاعی بھائی ہو گئے ایک ثویبہؓ کے تعلق سے اور دوسرے بنو سعد کی اِس عورت کے تعلق سے۔

رضاعت کے دوران حضرت حلیمہؓ نے نبی ﷺ کی برکت کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیرت رہ گئیں۔ تفصیلات اُنہیں کی زبانی سنیے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہؓ بیان کیا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ لے کر بنی سعد کی کچھ عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اُونٹنی بھی تھی، لیکن بخدا اِس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔ اِدھر بھوک سے بچہ اِس قدر بلکتا تھا کہ ہم رات بھر سو نہیں سکتے تھے۔ نہ میرے سینے میں بچہ کیلئے کچھ تھا۔ نہ اُونٹنی اِس کی خوراک دے سکتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزوری اور دُبلے پن کے سبب اتنی سست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آ گیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کو پیش نہ کیا گیا ہو۔ مگر جب اِسے بتایا جاتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے

سے انکار کر دیتی، کیونکہ ہم بچے کے والد سے داد و دہش کی اُمید رکھتے تھے۔ ہم کہتے کہ یہ تو یتیم ہے بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں۔ بس یہی وجہ تھی کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔

اِدھر جتنی عورتیں میرے ساتھ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھ ہی کو نہ مل سکا۔ جب واپسی کی باری آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا، خدا کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچے لے لے کر جائیں اور تنہا میں کوئی بچہ لیے بغیر واپس جاؤں۔ میں جا کر اس یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں! ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لئے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بنا پر لے لیا کہ کوئی اور بچہ نہ مل سکا۔

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں سینے دودھ کے ساتھ اس پر اُمنڈ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا، پھر دونوں سو گئے حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے لبریز ہے۔ انہوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! خدا کی قسم تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا: مجھے بھی یہی توقع ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لیا، لیکن اب وہی گدھی خدا کی قسم پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔ یہاں تک میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں: او! ابوذویب کی بیٹی! ارے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پر مہربانی کر۔ آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے، جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی؟ میں کہتی "ہاں ہاں! بخدا وہی ہے"۔ وہ کہتیں! اسکا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔

پھر ہم بنو سعد میں اپنے گھروں کو آ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی روئے زمین کا کوئی خطہ ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ تھا۔ لیکن ہماری واپسی کے بعد میری بکریاں چرنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھرپور واپس آتیں۔ ہم دوہتے اور پیتے۔ جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا

ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ اِن کے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سرے سے رہتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہماری قوم کے شہری اپنے چرواہوں سے کہتے کہ کم بختو! جانوروں ہیں چرنے لے جایا کرو جہاں ابوذویب کی بیٹی کا چرواہا لے جاتا ہے۔ اِس طرح ہم اللہ کی طرف سے مسلسل اضافے اور خیر کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اِس بچے کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے ہوتے ہوتے وہ کڑا اور گٹھیلا ہو چلا۔ اِس کے بعد ہم اِس بچے کو اِس کی والدہ کے پاس لے گئے۔ لیکن ہم اِس کی جو برکت دیکھتے آئے تھے اِس کی وجہ سے ہماری انتہائی خواہش یہی تھی کہ وہ ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اِس کی ماں سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: کیوں نہ آپ اپنے بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ ذرا مضبوط ہو جائے، کیونکہ مجھے اِس کے متعلق مکہ کی وباء کا خطرہ ہے۔ غرض ہمارے مسلسل اصرار پر انہوں نے بچہ ہمیں واپس دے دیا۔

واقعہ شق صدر اِس طرح رسول اللہ ﷺ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی بنو سعد ہی میں رہے یہاں تک کہ ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال شق صدر (سینہ مبارک چاک کئے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اِس کی تفصیل حضرت انسؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہؐ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکڑ کر لٹایا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے، پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اِسے جوڑ کر اِس کی جگہ لوٹا دیا۔ اِدھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: محمد ﷺ قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا رنگ اُترا ہوا تھا۔

ماں کی آغوش محبت میں اِس واقعے کے بعد حلیمہ کو خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے آپ کو آپکی ماں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ آپ چھ سال تک ماں کی آغوش محبت میں رہے۔

اِدھر حضرت آمنہ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے متوفی شوہر کی یادِ وفا میں یثرب جا کر ان کی قبر کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ اپنے یتیم محمد ﷺ اپنی خادمہ اُمّ ایمن اور اپنے سرپرست عبدالمطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کلومیٹر کی مسافت طے کر کے مدینہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک ماہ تک

قیام کر کے واپس ہوئیں، لیکن ابھی ابتداء راہ میں تھیں کہ بیماری نے آلیا۔ پھر یہ بیماری شدت اختیار کرگئی یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں پہنچ کر رحلت کر گئیں۔

دادا کے سایہ شفقت میں بوڑھے عبدالمطلب اپنے پوتے کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کا دل اپنے یتیم پوتے کی محبت و شفقت کے جذبات سے تپ رہا تھا۔ کیونکہ اب انہیں ایک نیا چرکا لگا تھا جس نے پرانے زخم کرید دیئے تھے۔ عبدالمطلب کے جذبات میں پوتے کیلئے ایسی رقت تھی کہ ان کی اپنی صلبی اولاد میں سے بھی کسی کیلئے ایسی رقت نہ تھی۔ چنانچہ قسمت نے آپکو تنہائی کے جس صحرا میں لا کھڑا کیا تھا عبدالمطلب اس میں آپکو تنہا چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھے۔ بلکہ آپ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے اور بڑوں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کیلئے خانہ کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا۔ ان کے سارے لڑکے فرش کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ عبدالمطلب تشریف لاتے تو فرش پر بیٹھتے۔ ان کی عظمت کے پیش نظر ان کا کوئی لڑکا فرش پر نہ بیٹھتا لیکن رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو فرش ہی پر بیٹھ جاتے۔ ابھی آپ کم عمر تھے۔ آپؐ کے چچا حضرات آپ کو پکڑ کر اُتار دیتے۔ لیکن جب عبدالمطلب انہیں ایسا کرتے دیکھتے تو فرماتے: میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو۔ بخدا اس کی شان نرالی ہے، پھر انہیں اپنے ساتھ اپنے فرش پر بٹھا لیتے۔ اپنے ہاتھ سے پیٹھ سہلاتے اور ان کی نقل و حرکت دیکھ کر خوش ہوتے۔

آپ کی عمر ابھی ۸ سال دو مہینے دس دن کی ہوئی تھی کہ دادا عبدالمطلب کا بھی سایہ شفقت اُٹھ گیا۔ ان کا انتقال مکہ میں ہوا اور وفات سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کو جو آپ کے والد عبداللہ کے سگے بھائی تھے، آپ کی کفالت کی وصیت کر گئے تھے۔

شفیق چچا کی کفالت میں ابو طالب نے اپنے بھتیجے کا حق کفالت بڑی خوبی سے ادا کیا، آپ کو اپنی اولاد میں شامل کیا، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مانا۔ مزید اعزاز و احترام سے نوازا۔ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک قوت پہنچائی، اپنی حمایت کا سایہ دراز رکھا اور آپؐ ہی کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی قائم کی۔

رُوئے مبارک سے فیضانِ باراں کی طلب ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ میں مکہ آیا۔ لوگ قحط سے دوچار تھے۔ قریش نے کہا: ابو طالب! وادی قحط کا

شکار ہے۔بال بچے کال کی زد میں ہیں۔ چلئے بارش کی دُعا کیجئے! ابوطالب ایک بچہ ساتھ لے کر برآمد ہوئے۔ بچہ ابر آلود سورج معلوم ہوتا تھا۔جس سے گھنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو۔اِس کے اردگرد اور بھی بچے تھے۔ابوطالب نے اِس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دی۔ بچے نے ان کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔اِس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہ تھا۔لیکن (دیکھتے دیکھتے) اِدھر اُدھر سے بادل کی آمد شروع ہوگئی اور ایسی دھواں دھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آگیا اور شہر و بیاباں شاداب ہوگئے۔بعد میں ابوطالب نے اِسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمدﷺ کی مدح میں کہا تھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه   ثمال الیتامی عصمة للارامل

''وہ خوبصورت ہیں۔ان کے چہرے سے بارش کا فیض طلب کیا جاتا ہے۔یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ ہیں''۔

بحیرا راہب بعض روایات کے مطابق۔جن کی استنادی حیثیت مشکوک ہے۔جب آپ کی عمر بارہ برس اور ایک تفصیلی قول کے مطابق بارہ برس دو مہینے دس دن کی ہوگئی تو ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر تجارت کیلئے ملک شام کے سفر پر نکلے اور بصریٰ پہنچے۔بصریٰ شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے۔اِس وقت یہ جزیرۃ العرب کے مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔اِس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا۔جو بحیرا کے لقب سے معروف تھا۔جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اس کی میزبانی کی حالانکہ اِس سے پہلے وہ کبھی نہیں نکلتا تھا۔اس نے رسول اللہﷺ کو آپ کے اوصاف کی بناء پر پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمینؐ ہیں۔اللہ انہیں رحمۃ للعالمینﷺ بنا کر بھیجے گا۔ابوطالب نے کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اِس نے کہا ''تم لوگ جب گھاٹی کے اس پار بیٹھے تھے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا۔جو سجدہ کے لئے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔پھر میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کرے (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔

اِس کے بعد بحیرا راہب نے ابوطالب سے کہا کہ انہیں واپس کردو ملکِ شام سے لوٹ جاؤ

کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔اِس پر ابوطالب نے بعض غلاموں کی معیت میں آپ کو مکہ واپس بھیج دیا۔

جنگ فُجار آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو جنگ فُجار پیش آئی۔اِس جنگ میں ایک طرف قریش اوران کے ساتھ بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔قریش اور کنانہ کا کمانڈر حرب بن اُمیہ تھا۔کیونکہ وہ اپنے سن وشرف کی وجہ سے قریش وکنانہ کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتا تھا۔پہلے پہر کنانہ پر قیس کا پلہ بھاری تھا لیکن دوپہر ہوتے ہوتے قیس پر کنانہ کا پلہ بھاری ہو گیا۔اِسے حرب فجار اِس لیے کہتے ہیں کہ اِس میں حرم اورحرام مہینے دونوں کی حرمت چاک کی گئی۔اِس جنگ میں رسول اللہﷺ بھی تشریف لے گئے تھے اوراپنے چچاؤں کو تیر تھماتے تھے۔

حلف الفُضُول اس جنگ کے بعد ایک حُرمت والے مہینے ذی قعدہ میں حلف الفضول پیش آئی۔چند قبائل قریش یعنی بنی ہاشم،بنی مُطلب،بنی اسد بن عبدالعزیٰ بنی زہرہ بن کلاب اوربنی تیم بن مرہ نے اِس کا اہتمام کیا۔یہ لوگ عبداللہ بن جدعان تیمی کے مکان پر جمع ہوئے۔کیونکہ وہ سن وشرف میں ممتاز تھا۔اورآپس میں عہدوپیان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا۔خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور بھی یہ سب اِس کی مدداورحمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اوراس کا حق دلواکر رہیں گے۔اِس اجتماع میں رسول اللہﷺ بھی تشریف فرما تھے اوربعد میں شرفِ رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اِس کے عوض سرخ اُونٹ بھی پسند نہیں اوراگر (دور)اسلام میں اس عہدوپیان کیلئے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔

اِس معاہدے کی روح عصبیت کی تہ سے اُٹھنے والی جاہلی حمیت کے منافی تھی۔اِس معاہدے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اورعاص بن وائل نے اِس سے سامان خریدا۔لیکن اِس کا حق روک لیا۔اِس نے حلیف قبائل عبدالدار،مخزوم،جمح،سہم اور عدی سے مدد کی درخواست کی۔لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔اِس کے بعد اس نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر بلند آواز سے چند اشعار پڑھے۔جن میں اپنی داستانِ مظلومیت بیان کی تھی۔اِس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی اورکہا کہ یہ شخص بے یارومددگار کیوں ہے؟اِن کی کوشش سے

اوپر ذکر کئے ہوئے قبائل جمع ہو گئے۔ پہلے معاہدہ طے کیا اور پھر عاص بن وائل سے اِس زبیدی کا حق دلایا۔

جفاکشی کی زندگی عنفوانِ شباب میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی معین کام نہ تھا، البتہ یہ خبر متواتر ہے کہ آپ بکریاں چراتے تھے۔ آپ ﷺ نے بنی سعد کی بکریاں چرائیں اور مکہ میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے رہے۔ پچیس سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کیلئے ملک شام تشریف لے گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلد ایک معزز مالدار خاتون تھیں۔ لوگوں کو اپنا مال تجارت کیلئے دیتی تھیں اور مضاربت کے اصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں۔ پورا قبیلہ قریش ہی تاجر پیشہ تھا۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کی راست گوئی، امانت اور مکارمِ اخلاق کا علم ہوا تو انہوں نے ایک پیغام کے ذریعے پیش کش کی کہ آپ ان کا مال لے کر تجارت کیلئے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے جائیں۔ وہ دوسرے تاجروں کو جو کچھ دیتی ہیں اِس سے بہتر اُجرت آپ کو دیں گی۔ آپ نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ اور اُن کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی جب آپ مکہ واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ نے اپنے مال میں ایسی امانت و برکت دیکھی جو اِس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اور اِدھر ان کے غلام میسرہ نے آپؐ کے شیریں اخلاق، بلند پایہ کردار، موزوں اندازِ فکر، راست گوئی اور امانت دارانہ طور طریق کے متعلق اپنے مشاہدات بیان کیے تو حضرت خدیجہؓ کو اپنا رشتہ کو ہر مطلوب دستیاب ہو گیا۔ اُس سے پہلے بڑے بڑے سردار اور رئیس ان سے شادی کے خواہاں تھے۔ لیکن انہوں نے کسی کا پیغام منظور نہ کیا تھا۔ اب انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ سے کہی اور نفیسہ نے جا کر نبی ﷺ سے گفت و شنید کی۔ آپ ﷺ راضی ہو گئے اور اپنے چچاؤں سے اِس معاملے میں بات کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے چچا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا۔ اِس کے بعد شادی ہو گئی۔ نکاح میں بنی ہاشم اور رؤسائے شہر شریک ہوئے۔

یہ ملکِ شام سے واپسی کے دو مہینے بعد کی بات ہے۔ آپؐ نے مہر میں بیس اُونٹ دیئے۔ اِس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور وہ نسب و دولت اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے

اپنی قوم کی سب سے معزز اور افضل خاتون تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی اور ان کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔

ابراہیم کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی بقیہ تمام اولاد اُنہی کے بطن سے تھی۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے اور انہی کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ، فاطمہؓ اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ عبداللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا۔ آپؐ کے سب بچے بچپن ہی میں انتقال کر گئے البتہ بچیوں میں سے ہر ایک نے اسلام کا زمانہ پایا۔ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں لیکن حضرت فاطمہؓ کے سوا باقی سب کا انتقال آپ کی زندگی ہی میں ہوگیا۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات آپ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی۔

کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود کے تنازعہ کا فیصلہ آپ ﷺ کی عمر کا پینتیسواں ۳۵ سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ کعبہ صرف قد سے کچھ اونچی چہار دیواری کی شکل میں تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے ہی سے اِس کی بلندی ۹ ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہ تھی۔ اِس کیفیت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا۔ اِس کے علاوہ اِس کی تعمیر پر ایک طویل زمانہ گذر چکا تھا۔ عمارت خستگی کا شکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسی سال ایک زوردار سیلاب آیا۔ اِس لیے قریش مجبور ہو گئے کہ اِس کا مرتبہ و مقام برقرار رکھنے کیلئے اسے ازسرِ نو تعمیر کریں۔

اِس مرحلے پر قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ اِس میں رنڈی کی اُجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں ہونے دیں گے۔

(نئی تعمیر کیلئے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا) لیکن کسی کو ڈھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی بالآخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتداء کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اِس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کیا اور جب قواعد ابراہیم تک ڈھا چکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔ تعمیر کیلئے الگ الگ ہر قبیلے کا حصہ مقرر تھا اور ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر کے ڈھیر لگا رکھے تھے۔ تعمیر شروع ہوئی۔ باقوم نامی ایک رومی معمار نگراں تھا۔ جب عمارت حجرِ اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اُٹھ کھڑا

ہوا کہ حجرِ اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف اور امتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اِس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سر زمینِ حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائے گا۔ لیکن ابو اُمیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے دوسرے دن جو سب سے پہلے داخل ہو اِسے اپنا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ ھذا الامین رضیناہ ھذا محمد ﷺ یہ امین ہیں۔ پھر جب آپ قریب پہنچے اور انہوں نے آپ کو معاملے کی تفصیل بتائی تو آپؐ نے ایک چادر طلب کی۔ بیچ میں حجرِ اسود رکھا اور متنازعہ قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کنارہ پکڑ کر اوپر اُٹھائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجرِ اسود کے مقام پر پہنچ گئی تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے حجرِ اسود کی اِس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ بڑا معقول فیصلہ تھا۔ اس پر ساری قوم راضی ہوگئی۔

اِدھر قریش کے پاس مالِ حلال کی کمی پڑ گئی اِس لیے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی۔ یہی ٹکڑا حِجر اور حطیم کہلاتا ہے۔ اِس دفعہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصا بلند کر دیا تا کہ اِس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہوگئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اوپر سے چھت ڈال دی گئی اور کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہوگیا۔ اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے۔ حجرِ اسود والی دیوار اور اِس کے سامنے کی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیوار اور اِس کے سامنے کی دیوار یعنی پورب اور پچھم کی دیواریں ۱۲-۱۲ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چہار جانب سے ایک بڑے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی ۲۵ سینٹی میٹر اور اوسط چوڑائی ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اِسے شاذ روان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل بیت اللہ کا جزو ہے۔ لیکن قریش نے اِسے بھی چھوڑ دیا تھا۔

نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت نبی ﷺ کا وجود اِن تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں۔ آپؐ اصابت فکر، دُور

بینی اور حق پسندی کا بلند مینار تھے۔ آپ کو حسن فراست، پختگی فکر اور وسیلہ و مقصد کی درستگی سے حظِ وافر عطا ہوا تھا۔ آپ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور و خوض تفکیر اور حق کی کرید میں مدد لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھیں ان سے سخت بیزاری محسوس کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا یعنی لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا اِس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی مقررہ تنہائی کی طرف پلٹ جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شراب کو کبھی منہ نہ لگایا، آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا اور بتوں کیلئے منائے جانے والے تہوار اور میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔

آپ کو شروع ہی سے اِن باطل معبودوں سے اتنی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر آپ کی نظر میں کوئی چیز مبغوض نہ تھی حتیٰ کہ لات و عزیٰ کی قسم سننا بھی آپ کو گوارا نہ تھا۔

اِس میں شبہ نہیں کہ تقدیر نے آپ پر حفاظت کا سایہ ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ جب بعض دنیاوی تمتعات کے حصول کیلئے نفس کے جذبات متحرک ہوئے یا بعض ناپسندیدہ رسم و رواج کی پیروی پر طبیعت آمادہ ہوئی تو عنایت ربانی دخیل ہو کر رکاوٹ بن گئی۔ ابن اثیر کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گذرا لیکن ان دونوں میں سے بھی ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اِس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مجھے اِس کا خیال نہ گذرا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اپنی پیغمبری سے مشرف فرما دیا۔ ہوا یہ کہ جو لڑکا بالائی مکہ میں میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اِس سے ایک رات میں نے کہا: کیوں نہ تم میری بکریاں دیکھو اور میں جا کر مکہ دوسرے جوانوں کی طرح وہاں کی شبانہ قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کر لوں! اِس نے کہا ٹھیک ہے۔ اِس کے بعد میں نکلا اور ابھی مکہ کے پہلے ہی گھر کے پاس پہنچا تھا کہ باجے کی آواز سنائی پڑی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا فلاں کی فلاں سے شادی ہے۔ میں سننے بیٹھ گیا اور اللہ نے میرا کان بند کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر سورج کی تمازت ہی سے میری آنکھ کھلی اور میں اپنے ساتھی کے

پاس واپس چلا گیا۔اِس کے پوچھنے پر میں نے تفصیلات بتائیں۔اِس کے بعد ایک رات پھر میں نے یہی بات کہی اور مکہ پہنچا تو پھر اسی رات کی طرح کا واقعہ پیش آیا۔اور اسکے بعد پھر کبھی غلط ارادہ نہ ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب کعبہ تعمیر کیا گیا تو نبی ﷺ اور حضرت عباسؓ پتھر ڈھو رہے تھے۔حضرت عباسؓ نے نبی ﷺ سے کہا: اپنا تہبند اپنے کندھے پر رکھ لو پتھر سے حفاظت رہے گی، لیکن جونہی آپؐ نے ایسا کیا آپؐ زمین پر جا گرے۔نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔افاقہ ہوتے ہی آواز لگائی۔میرا تہبند، میرا تہبند اور آپ کا تہبند، آپکو باندھ دیا گیا۔ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے بعد آپ کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی گئی۔

نبی ﷺ اپنی قوم میں شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے۔چنانچہ آپ سب سے زیادہ با مروت، سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز ہمسایہ، سب سے بڑھ کر دور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے نرم پہلو، سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں سب سے زیادہ کریم، سب سے نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابند عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے، حتیٰ کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام ہی "امین" رکھ دیا تھا کیونکہ احوالِ صالحہ اور خصال حمیدہ کا پیکر تھے۔اور جیسا کہ حضرت خدیجہؓ کی شہادت ہے۔"آپ ﷺ درماندوں کا بوجھ اُٹھاتے تھے، تہی دستوں کا بندوبست فرماتے تھے، مہمان کی میزبانی کرتے تھے اور مصائب حق میں اعانت فرماتے تھے۔ ماخوذ از (والرحیق المختوم)

عید میلاد النبیؐ کی افادیت

میجر جنرل عبدالرحمٰن خان (ر)

دنیا بھر میں قدیم زمانے سے ہر قوم وملت اپنے عظیم بزرگوں، دانشمندوں اور حکمرانوں کے کارناموں اور قربانیوں کی یاد تازہ کرنے کیلئے اِنکی پیدائش یا وفات کے دنوں کو خصوصی طور پر مختلف طریقوں میں مناتی آئی ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ ایسی تقریبات کیلئے کسی بزرگ یا حکمران نے کبھی اپنے نام کو اجاگر کرنے کیلئے کوئی وصیت نامہ نہیں چھوڑا۔ لیکن اِس کے باوجود یہ رسم اپنی منفرد افادیت کی متعدد غرض کی وجہ سے بصد تزک واحترام ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

اللہ جل شانہ نے اِس دنیائے رنگ و بو میں اپنی عظیم ہستی کی پہچان کی غرض سے مختلف ادوار میں انسانی شکل میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے۔ لیکن حضرت انسان نے اللہ کے اِس جامع پیغام کے دو بنیادی اور اہم پہلوؤں کو یعنی وحدہ لاشریکیت اور روزِ قیامت کے مفہوم کو خاص طور پر اُن تمام نبیوں کی کماحقہ کوششوں کے باوجود بدل دیا۔ لیکن اللہ بے نیاز نے زمانے کے اِس موڑ پر اپنے حبیب اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین کا لقب دیکر مبعوث فرمایا۔ اِس واقعہ عظیم کو علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک نعت رسول اکرمؐ میں نہایت خوش اسلوبی سے منظوم فرمایا ہے۔

آئینہ کائنات کا معنی دریاب تو
نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

(یعنی دریاب کا مطلب خاتم النبیین لیا۔ قافلہ ہائے رنگ و بو تمام پیش رو انبیاء کو لیا۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ کیا یہ زمین اِس قابل ہوگئی ہے۔ کہ اللہ کے محبوب تشریف لاسکتے ہیں)

اللہ کریم نے اپنی تمام کائنات میں منفرد بنانے کیلئے حضور اکرم ﷺ کو اُن القابات سے نوازا جو اِس سے پہلے کسی پیغمبر کو عطا نہیں کیے گئے تھے۔ مثلاً

1۔ آپکو نبی آخرالزماں خاتم النبیین کہہ کر پکارا

2۔ آپکو رحمت اللعالمین کا لقب عطا فرمایا۔

3۔ قرآن کریم کو وحی کے ذریعہ عطا فرمایا۔ حامل وحی کہلائے۔

4۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا۔ اِس سے پہلے کسی آسمانی کتاب کو یہ اعزاز نہ بخشا۔

5۔ تمام دنیا کو یہ چیلنج دیا۔ کہ قرآن کی فقط ایک آیت جیسی آیت لکھ لاؤ۔

6۔ اللہ نے فرمایا کہ میں اور میرے فرشتے حضور اکرمؐ پہ سلام بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی سلام بھیجو۔

7۔ بے شک آپ خُلقِ عظیم کے مرتبہ عالیہ پر فائز ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی مستند روایت اُنکی جائے پیدائش اور عرصہ نبوت کے متعلق نہیں بتلاتی۔ یا پیدائش کے بعد انہوں نے تیس سال کا عرصہ کیسے گزرا؟ اُنکی پیغمبری کا عرصہ تین سال سے کم رہا۔ اِس عرصہ میں ان کے پیروکوئی ایک درجن نفوس سے کم رہے۔ انہیں تقریباً دوسو سال تک کوئی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی۔ لیکن جب انکی پذیرائی بڑھی۔ تو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن 25 دسمبر مقرر کیا۔ اِسکو اُن کے کسی مذہبی فرقے نے کبھی چیلنج نہیں کیا۔ کرسمس کا تہوار آج تک منایا جاتا ہے۔

آج تک کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جسکی زندگی کے واقعات اتنی تفصیل سے ریکارڈ کئے گئے ہوں جتنا کہ حضور اکرمﷺ کی زندگی پیدائش سے لیکر وصال مبارک تک تفصیل سے لکھی گئی ہے۔ مگر مسلمان ابھی تک حضور اکرمﷺ کی تاریخ پیدائش پہ متفق نہیں ہو سکے۔ حالانکہ صرف فرق ایک دن ہی کا ہے۔ بلکہ یہ مشکل معمہ بار ہا جھگڑنے کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ 11 ربیع اول یا 12 ربیع الاول کسی ایک کو ماننے میں کیا حرج ہے؟

جب تک مسلمان دنیا میں حکومت کرتے رہے۔ وہ اپنے عقیدہ پہ قائم رہے اور اسلامی روایات بھی قائم رہیں۔ لیکن تقریباً دوسو سال پہلے جب مغربی دنیا نے مسلمان ملکوں کو فتح کر لیا۔ تو انہیں مذہب اسلام کی ہر روایت کو چیلنج کرنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ جس طرح اپنے مذہب کو انہوں نے اپنی مرضی سے بدل ڈالا ہے مذہب اسلام کو بھی بدل ڈالیں گے۔ اِس کیلئے وہ کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اِس کیلئے مندرجہ ذیل مثالیں کافی ہونگی۔ جو

اس عرصہ میں نمایاں ہیں۔

1۔ خاتم النبیین کے معانی کو مشکوک بنا کر نبوت جاری کروا دی۔

2۔ماڈرن ڈکشنری کی مدد سے قرآن کے مختلف عربی الفاظ کو دوسرے معانی میں بدل دینا۔

3۔ جب کچھ اور نہ ملا تو حضورؐ کے قابل اعتراض خاکے بنا کر چھپوا دیئے۔ اِسے مغربی ماڈرن تحریر و تقریر کی آزادی کا بہانہ بنالیا۔

4۔ پانچ وقتی نماز کو ایک یا دو تک محدود کرنے کی ناپاک کوشش کی تحریک چلا دی۔

5۔ قرآن کو جلانے کی تحریک سرعام کر دی۔

6۔ اسلام کی روایات کو یکے بعد دیگرے ختم کرنے کی تحریک جیسے عورتوں کو برقعہ پہننے پہ جرمانہ وغیرہ۔

7۔ جہاد فی سبیل اللہ کو متنازع بنا کر تفرقہ پیدا کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ

اِن تمام ناپاک کوششوں کا دراصل مطلب دنیائے اسلام کو حضور اکرم ﷺ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر کے انہیں بھلانے یا مشکوک بنانے کی نہایت ہی بھونڈی کوشش ہے۔ اللہ جل شانہ نے بڑے واضح الفاظ میں قرآن میں یہ فرما کر کہ اِس معاملہ کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا ہے کہ "میری اطاعت رسول کی اطاعت میں ہے"۔ مسلمانوں کیلئے اللہ کے احکامات کی بجا آوری فقط رسول اللہؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہی ہے۔ یہی راہِ ہدایت ہے۔ کیا خوب کہا کسی نے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مندرجہ بالا حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں پہ یہ لازمی ہوتا ہے کہ وہ مجالس میلاد النبی ﷺ کو عام مجالس کی طرح نہیں بلکہ دلچسپی کے ساتھ نہایت منظم طریقہ سے بندوبست کر کے منائیں۔ اِن مجالس کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کا خصوصی اِنتظام کریں۔

1۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی مبارک کو اُجاگر کرنے کیلئے تقاریر کا انتظام۔

2۔ حضور ﷺ کی خصوصی تعریف کیلئے سنت رسول اللہ ﷺ کا خاص انتظام۔

3۔ درود شریف کے ورد کا خاص اِنتظام جسکو اللہ کریم نے اپنی ذات پہ بھی لازم رکھا ہے۔ زندہ قومیں اپنے محسنوں کو بھلایا نہیں کرتیں۔ بلکہ اُن کی زندگیوں سے سبق سیکھتی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ کہ اُن کے رہنماؤں کے اخلاق، عادات و اطوار زندگی میں وہ کونسی خوبیاں تھیں۔ جن کے سبب وہ اس قدر عظیم انسان بنے۔

تا کہ وہ بھی انہیں اپنا کر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے اور بہترین اُمت بن کر اقوام عالم کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ اپنے آپ کو اُسوہ حسنہ میں رنگ لینا ہی اتباعِ رسول کی روح ہے۔ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا۔

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بتا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

عید میلادالنبی کا دن ایسا ہے کہ جسے بھولا نہیں جا سکتا۔ حضورﷺ کی ولادت کا دن انسانیت کی سربلندی کا دن ہے۔ یہ دن اہلِ عالم کو امن و سلامتی۔ احترامِ آدمیت اور خدا شناسی کا پیغام دیتا ہے۔ یہ یوم رحمت ہے۔ یہ دن اسلام کی تکمیل کا پیغام لانے والے کا یومِ ولادت ہے۔

حلقہ دوراں میں ہے یہ دن درخشندہ نگیں
تشریف لائے آج کے دن رحمۃ للعالمیں

11 یا 12 ربیع الاول کا وہ مبارک دن ہے۔ جس پہ بحث فضول ہے۔ کسی ایک دن پہ صلح صفائی سے فیصلہ کر کے اہل اسلام اپنی یک جہتی کا ثبوت دیں۔ اللہ کا نام لیکر حضورﷺ کے یوم ولادت کو بغیر کسی تفریق کے شایانِ شان طریقہ سے آج کی دنیا میں منانا ایک کارِ جہاد ہے۔ اِس میں کاہلی و سستی کا دخل زہرِ قاتل ہے۔ کیونکہ دوسری طرف ابلیسی قوتیں برسرِ پیکار ہیں اور کسی قسم کی رعایت دینے کی خواہاں نہیں۔

صبر کی برکتیں

(پیر خان توحیدی)

اگر چہ اس موجودہ دور میں دنیائے عالم نے انسانی آسائش وآرام کیلئے بے شمار ایجادات تیار کیں۔ چاند اور ستاروں تک رسائی حاصل کی۔ طرح طرح کی دریافتیں ہوئیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کے اندر بے سکونی اور بے صبری کا اضافہ ہوا۔ اس وقت جس کسی سے بھی بات کریں وہ کاروباری نقصان، بال بچوں کی نا اہلی، عزیز واقارب کی بے مروتی، پڑوسیوں کی بدسلوکی اور دوستوں کی سرد مہری کی شکائتیں کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کو پس پشت ڈال کر اغیار کے طریقے اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ کی یاد ''جس سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے اور صبر کی روش بڑھتی ہے'' وہ ہمارے دلوں سے مٹ چکی ہے۔ مصائب وآلام میں صبر سے کام لینے کی بجائے شکوے شکائتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ہم اللہ کے احکامات کو بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد بار اپنے بندوں کو مصائب وآلام اور پریشانیوں میں صبر کا حکم دیا ہے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے عملی طور پر کر کے دکھایا ہے۔

صبر اگر چہ ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن ہماری زندگیوں میں کثرت سے بولا جاتا ہے۔ ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ صبر کرو۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی مشکل، کوئی مصیبت، کوئی بیماری، کوئی تکلیف یا کوئی حادثہ پیش آجائے یا کوئی عزیز رشتہ دار دنیا سے رخصت ہو جائے تو ہر آنے جانے والا شخص یہی کہتا ہے کہ صبر کریں اللہ کی مرضی کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا یہ ہمارا اس لفظ سے ابتدائی تعارف ہے جو بچپن ہی سے گھروں میں ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس دنیا میں کچھ بھی حاصل کرنا چاہے تو اس کیلئے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی بسر کرنا کوئی آسان کام نہیں جس کو اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے اس کی زندگی بھی ہزاروں پریشانیوں اور اندیشوں سے دوچار رہتی ہے۔ ہر آدمی اس چیز کی طلب میں رہتا ہے

جواس کے پاس نہیں ہوتی ۔یہ کیفیت اُن کو بھی ہے جو سب کچھ رکھتے ہیں اور اُن کی بھی ہے جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا ۔اسی طرح زندگی کا کوئی بھی مقصد ہمارے سامنے ہو کوئی بھی خواہش پوری کرنی ہو تو اِس کیلئے لگن سے کام اور محنت کرنی پڑتی ہے۔راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنی پڑتی ہیں یہ سب کچھ صبر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

صبر کے لغوی معنی عربی زبان میں روکنے اور باندھنے کے ہیں، برداشت کرنے اور سہنے کے ہیں۔کسی بھی چیز کے ساتھ اگر آدمی اپنے آپ کو باندھ لے اور اس کے اوپر جم جائے تو یہ صبر ہے۔یہ بھی صبر ہے کہ انسان کے سامنے جو بھی مقصد یا کوئی منزل سر کرنا چاہے یہ مقصد دنیاوی ہو یا اُخروی ہو آدمی اپنے مقصد پر جم جائے اور یہ عزم کر لے کہ جو بھی رکاوٹیں ہونگی انہیں خاطر میں نہیں لائے گا۔کبھی حوصلہ پست ہونے لگے یا محنت سے دل گھبرانے لگے یا کوئی راہ میں مسائل پیدا کرے اِس کے باوجود کام کرتے رہنا یہ بھی صبر ہے۔نفس کو دین کی بات پر پابند رکھنا اور دین کے خلاف اِس سے کوئی کام نہ ہونے دینا اِس کو بھی صبر کہتے ہیں۔یہ لفظ "صبر" جتنا زیادہ بولا جاتا ہے اتنے ہی زیادہ اِس کے معنی بھی ہیں قرآن مجید کھول کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا یہ تو ایک صفت ہے جس سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے وہ جگہ جگہ اِس کی ہدایت کرتا ہے اور اِس کے مختلف پہلو بیان کرتا ہے۔دنیا کے کسی بھی مقصد کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ انسان جم کر کام کرے اور رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لائے اور ترغیبات کے اوپر قابو پائے غرضیکہ جتنے بھی اور جیسے بھی کام ہوں سب کیلئے صبر کی صفت ضروری ہے۔

قرآن ایک ایسی منزل کی دعوت دینے کیلئے آیا ہے اور ایک ایسی نعمت عطا کرتا ہے جو بالکل مختلف ہے۔دنیا میں جتنی بھی منازل ہیں خواہشیں ہیں اور جتنی بھی چیزیں ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اِس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔اِس لئے سب سے بڑھ کر صبر کی ضرورت اِسی راستے کیلئے ہے کیونکہ جتنی اعلیٰ منزل ہوگی اتنی ہی زیادہ محنت درکار ہوگی اور اتنی ہی زیادہ راہ میں رکاوٹیں بھی ہونگی۔اب جبکہ منزل وہ ہو جسکی وسعت میں آسمان اور زمین سما جائیں تو ظاہر ہے اِس لحاظ سے مشکلیں۔رکاوٹیں اور مصائب بھی جو دوسرے مقاصد حاصل کرنے کیلئے ضروری

ہوتے ہیں وہ اس حیثیت میں کئی گنا زیادہ پیش آتے ہیں ۔اِس لئے جب قرآن مجید نازل ہوا تو شروع ہی ہیں وہ بنیادی ہدایات جو اِس نے دیں وہ یہی تھیں **ولربک فاصبر** (المدثر) اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو پھر چند ہی دنوں کے بعد دوسری وحی نازل ہوئی ۔ **فاصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیل ۱۰** (المزمل) اور جو باتیں لوگ بناتے ہیں اُن پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ اِن سے الگ ہو جاؤ ۔اِس کے بعد دین کی راہ میں آگے بڑھنے کے ہر ہر قدم پر یہ ہدایات بار بار دہرائی جاتی رہیں ۔جب جہاد کا حکم ہوا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی ، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے ۔اِن حالات میں جو لوگ صبر کریں گے اِن کیلئے بشارت ہے اور خوشخبری ہے ۔(البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کو بھی صبر کی ہدایت کی جس میں دو چیزیں موجود تھیں کہ راہ میں آنے والے مصائب پر صبر اور نماز کی روش کامیابی کی روش ہے ۔سب انبیاء نے اپنی اُمتوں کو انہی دو چیزوں کی نصیحت کی ۔قرآن مجید میں بھی مختلف انداز میں یہ بات دہرائی گئی ہے (**واستعینو باالصبر والصلوٰۃ**)(البقرہ) صبر اور نماز سے مدد لو ۔یعنی اللہ کی رضا کے حصول کا راستہ اور اللہ کی جنت تک پہنچنے کا راستہ صبر اور نماز کے ذریعہ ہی طے ہو سکتا ہے ۔قرآن مجید میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں صبر اور تقویٰ کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں ۔اور تقویٰ کو اختیار کرنے کیلئے نفس کے اندر جس صلاحیت اور استعداد کی ضرورت ہے وہ صبر ہے ۔آدمی اِن چیزوں سے رُک جائے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں چاہے وہ اُس کے اندر سے پیدا ہوں یا باہر سے آئیں اِس تقویٰ کے حصول کیلئے قوت کا خزانہ اور سر چشمہ صبر ہے ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی اگر تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو (آل عمران)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی امامت اِس وقت ملی جب انہوں نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھی یہ مرحلہ بھی صبر کا متقاضی تھا ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بیٹا اللہ تعالیٰ نے اسی

(80) سال سے اوپر کی عمر میں عطا کیا تھا۔ پھر جب اِسے ذبح کرنے کا حکم صادر ہوا تو ساری زمین اور آسمان حیران تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کیسے اپنے لختِ جگر کے گلے پر چھری چلائیں گے اور کیسے اِسے ذبح کریں گے لیکن ابراہیم علیہ السلام نے کمال صبر کے ساتھ وہ کر دکھایا جس کا انہیں حکم ملا تھا۔ بیٹے نے بھی کمال سعادت مندی کے ساتھ کہا کہ **یـابـت افعل ماتومرون ستـجـدنی اِن شاء اللّٰہ من الصبرین** (الصفت) ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اِسے کر ڈالیے آپ اِن شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ علامہؒ نے اِس کے اوپر کیا خوب فرمایا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

بنی اسرائیل کا ذکر آیا کہ غلام تھے فرعون کے شکنجے میں کسے ہوئے تھے لیکن ہم نے اِن کو فرعون کی غلامی سے آزاد کیا انہیں خلافت بخشی اور مشرق و مغرب کی زمینوں کا مالک بنایا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور سارے مصائب کے مقابلے میں جمع رہے۔ اِسی طرح جنت کے بارے میں قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ جنت اِن لوگوں کیلئے مخصوص ہے جو صبر کی روش اختیار کرتے ہیں۔ **وجـزهـم بـمـا صبروا جنة و حريرا** (الدھر) اور ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔

صبر کی اہمیت کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تو اِس کو دوسری ہدایات کے ساتھ صبر کی بھی تلقین کی اور کہا کہ اے بیٹے نماز قائم کرنے کا حکم دے۔ بدی سے منع کر۔ اور جو مصیبت بھی آئے اِس پر صبر کر کیونکہ یہ بڑے عزم اور حوصلے کا کام ہے۔ قرآن مجید میں نماز اور صبر کے ساتھ ساتھ ذکر آتا ہے جس کے ذریعہ سے اللہ سے تعلق بڑھتا ہے اور اُس کی قربت نصیب ہوتی ہے۔ صبر بزدلوں اور کم حوصلہ لوگوں کا کام نہیں یہ تو بڑی ہمت، بڑی جرات عزم اور حوصلے کا مطالبہ کرتا ہے اِسی لئے قرآن مجید نے بار بار کہا ہے کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں اور قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دیتے ہیں اور برائی کا جواب بھلائی سے

دیتے ہیں تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔ صبر بے بسی اور بے کسی کا نام نہیں بلکہ صبر بدلہ لینے کی استعداد اور ترغیب کا شکار ہو جانے کے باوجود اپنے مقام پر جمے رہنے اور معاف کر دینے کا نام ہے۔ جتنا کسی کا بلند مقام اور بلند مرتبہ ہوتا ہے اتنا ہی اُسے زیادہ صبر بھی نصیب ہوتا ہے بلکہ یہ بلند مقامات اور مرتبات صبر ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ نفس کو دین کی بات پر پابند رکھنا اور دین کے خلاف کوئی کام نہ ہونے دینا بھی صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مال و دولت عطا فرما کر بھی ان کی آزمائش کرتا ہے اور مال و دولت سے محروم کر کے بھی اِن کے صبر کی آزمائش کرتا ہے۔ مال و دولت عزت و آبرو نوکر چاکر اولاد گھر بار ساز و سامان دیا ہوا ایسے وقت کا صبر یہ ہے کہ دماغ خراب نہ ہو خدا تعالیٰ کو نہ بھولے غریبوں کو حقیر نہ سمجھے زکوٰۃ خیرات دینے میں کنجوسی نہ کرے اور ہر کام صرف اور صرف اللہ کی رضا کیلئے کرے جس میں نفس کی کوئی غرض نہ ہو۔ عقلمندوں کا کہنا ہے کہ آدمی کا ظرف اور صبر کا پتہ خوشی اور غمی کے موقعوں پر معلوم ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شادی بیاہ یا دیگر خوشی کے وقت آدمی اپنے کپڑوں سے باہر نکل جاتا ہے۔ دولت کا بے دریغ خرچ کرنا، ناچ گانوں کی محفلیں سجانا۔ شراب کباب سے دل بہلانا، ڈھولک کی تھاپ پر ناچنا، پٹاخوں اور فائرنگ سے دوسرے لوگوں کو پریشان کرنا، جھگڑے ڈالنا اور شور مچانا یہ سارے شیطانی کام بے صبری سے ہی ہوتے ہیں۔ اِسی طرح کسی بیماری، مال کے نقصان یا کسی عزیز و اقارب کے فوت ہونے کے موقع پر خلاف شرع کلمات زبان سے کہنا، بین کر کے رونا بلکہ بعض علاقوں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بہت ساری عورتیں جھگڑا اڈالنے کی صورت میں ایک جگہ جمع ہو کر مرنے والے پر نوحہ خوانی کرتی ہیں جس کا مرد حضرات بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ چونکہ شیطان لعین ہر نیک کام میں رخنہ ڈالتا ہے اور آدمی کو نیکی سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور برائیوں میں کشش پیدا کرتا ہے یہاں آدمی کو صبر اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے ایسے موقعوں پر آدمی کو سوچنا چاہیے کہ بے صبری کرنے سے تقدیر تو بدلتی نہیں ناحق ثواب بھی کیوں ضائع کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ عصر میں واضح طور پر کہلایا ہے **والعصر o اِن الانسان لفی خسر o الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وتوا صو بالحق و توا صوا**

بالصبر o زمانے کی قسم بیشک وبالیقین انسان سراسر نقصان میں ہے۔سوائے اِن لوگوں کے جوایمان لائے اور نیک عمل کئےاور جنھوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کوصبر کی نصیحت کی۔زمانے سے مراد شب وروز کی یہ گردش اور ان کاادل بدل کرآنا ہے۔کبھی رات لمبی اوردن چھوٹااور کبھی دن لمبارات چھوٹی ہوجاتی ہے۔یہی اللہ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔اِسی لئے رب نے اِس کی قسم کھائی اور کہا کہ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے اِس کے شب وروز سخت محنت کرتے ہوئے گذرتے ہیں اور جب موت سے ہمکنار ہوتا ہےتو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔ہاں البتہ اِس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جوایمان لائے اور عمل صالح کئے کیونکہ اِن کی زندگی چاہےجیسے بھی گزری ہوموت کے بعدوہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پر آسائش زندگی سے بہرور ہونگے۔آگے اہل ایمان کی مزید صفات کا تذکرہ ہےیعنی مصائب و آلام پرصبر۔احکام وفرائض شریعت پرعمل کرنے میں صبر۔معاصی سے اجتناب پرصبر،لذات و خواہشات کی قربانی پرصبر۔

صبر وہ نعمت ہےجس سے نہ دنیاوی زندگی سدھرتی ہے بلکہ اُخروی زندگی کی بھلائیوں کا دارومدار بھی اِسی پر ہے۔یہ وہ نعمت ہےجس سے بڑے بڑے مسائل حل ہوجاتے ہیں جبکہ بے صبری سے بڑی بڑی خرابیاں جنم لیتی ہیں اور بربادیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

چُپ کریں تے موتی ملن صبر کریں تے ہیرے
پاگلاں وانگوں رولا پاویں نہ موتی نہ ہیرے

دُعا ہے کہ اللہ کریم سب مسلمانوں کواور خصوصی طور پرتوحیدی بھائیوں کو ہر حال میں صبر کرنے کی توفیق عطافرمائے۔آمین

ملکیت زمین

(مولٰنا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ **بدیع السموات والارض** اِس لیے کائنات کا مولا اور مالک بھی وہی ہے **لـه ملك السموت والارض** انسان کی حیثیت اِس کائنات میں یہ ہے کہ وہ کائنات میں داخل ہے اور ساری کائنات سے افضل واشرف ہے اِس لئے وہ ساری کائنات سے مناسب تعمیری فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ گویا اِسے حق ملکیت تو نہیں البتہ حق تصرف حاصل ہے مگر عدل کے ساتھ۔

اِس زمین میں انسان صرف رہتا ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کی ساری ضروریات زمین ہی سے حاصل کرتا ہے اِس لئے اسلام نے زمین کے متعلق تمام بنیادی احکام دے دیے ہیں۔ سب سے پہلے تو عمومی حقیقت بتادی ہے کہ زمین کسی خاص فرد یا قوم کیلئے نہیں بلکہ سارے انسانوں کیلئے ہے تا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ **والارض وضعها للانام** (خدا نے زمین کو ساری مخلوق کے فائدے کیلئے بنایا ہے) نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ **ولكم فى الارض مستقرو متاعٌ الىٰ حين** ۔ (زمین میں تم سبھوں کے لئے ایک محدود وقت تک کیلئے ٹھکانا اور فائدہ اُٹھانے کا سامان ہے)۔

زمین سے فائدہ اُٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ اِسے آباد بھی کیا جائے اور اُسے ''زندہ'' بھی رکھا جائے۔ زمین کو مردہ رکھ چھوڑنے کا نتیجہ اِس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ جتنا اِس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا تھا اِس سے لوگ محروم رہیں؟ یہی وجہ ہے کہ احیائے زمین کی بار بار ترغیب دی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

مامن مسلم يغرس غرسا او يزرع زرعا فياكل منه طيرا وانسان او بهيمة الا كان له به صدقة (رواہ الشیخان والترمذی عن ابی ھریرۃ)

''اگر کوئی مسلمان درخت اُگائے یا کھیت اُگائے اور اِس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایہ کچھ کھالے تو یہ اِس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے۔

یہ حدیث بڑی غور طلب ہے ۔انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ نقصان بھی ہو ہی جاتا ہے ۔مردانِ کاران نقصانات کے تاریک پہلو پر نظر نہیں رکھتے بلکہ جو فائدہ مجموعی طور پر حاصل ہوتا ہے اسی کو فائدہ سمجھ کر اپنا کام کیے جاتے ہیں اور قنوطی شخص زیادہ تر نقصانات کو دیکھتا ہے اور بسا اوقات اِس معمولی نقصان سے بچنے کیلئے بڑے کام کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔اِس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تمہاری محنت کے ثمرے سے کچھ دوسرے انسان یا چوپائے یا پرندے بھی فائدہ اُٹھا لیتے ہیں تو اس سے مایوس نہ ہونی چاہیے بلکہ خوش ہونا چاہیے کہ صدقہ ادا ہو گیا کیونکہ ثمرہ محنت کے مستحق تنہا تم یا تمہارے مخصوص افراد ہی نہیں ۔کچھ اور مخلوقات (الانام) بھی ہیں۔

یہ معاشرے یا ریاست کا کام ہے کہ ہر فرد یا خاندان کو اس کی ضرورت کے مطابق زمین کا ایک حصہ انتظام و انصرام کیلئے اس کے سپرد کرے۔اگر کچھ لوگ ایسے ہوں کہ جن کے پاس ضرورت سے بہت زیادہ زمین ہو اور وہ اسے آباد نہ کرتے ہوں یا اگر آباد کریں تو اس سے احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرتے ہوں یا ازیں قبیل دوسرے ناجائز فائدے اُٹھاتے ہوں جس سے افرادِ معاشرہ کا نقصان ہو رہا ہو تو ایسی تمام صورتوں میں ریاست کو یہ حق ہے کہ وہ ایسی زمین کو یا اس کے مناسب حصے کو ضبط کر کے دوسرے مستحقین کے اِنتظام و تصرف میں دے دے۔چنانچہ ایک روایت میں ارشادِ نبوی ﷺ یوں ہے کہ:۔

من احیی ارضا قد عجز صاحبھا عنھا و ترکھا بمھلکۃ فھی لہ۔

جس زمین کا مالک (متصرف) اِسے آباد کرنے سے عاجز ہو اور اسے برباد حالت میں چھوڑ دے تو یہ اس کی ہو جائے گی جو اِسے زندہ کر لے۔ (رواہ رزین عن سعید بن زید)

ظاہر ہے کہ زمین کو مردہ حالت میں چھوڑ دینے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اِس سے جتنا فائدہ حاصل کیا جا سکتا تھا اِس سے مخلوق محروم رہے گی اور یہ ایک نقصان ہی ہے۔لہٰذا اگر زمین کو زندہ کرنے کے باوجود اِس سے احتکار وغیرہ کا ناجائز فائدہ اُٹھایا جائے تو زمین کو بے آباد رکھنے کے نقصان سے کسی طرح کم نہیں اِس لئے ایسی زمین بھی اِسی مستحق کو دے دینی چاہیے جو اُسے

جائز طریقے سے آباد کرے۔اس سے خود بھی فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کو بھی اِس سے استفادے کاموقع دے۔

اِس موقع پر ایک نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضورﷺ نے پوری زمین کو مسجد قرار دیا ہے۔فرمایا:

جعلت لی الارض طھورا و مسجدا۔

"میرے لئے ساری زمین مطہراور مسجد بنائی گئی ہے"۔

اِس میں یہ اشارہ ہے کہ دراصل ساری زمین کو مسجد کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔مسجد معاشرے کیلئے ایک تربیتی مرکز ہے اوراس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جن باتوں کی تعلیم مسجد میں ہوتی ہےان کو مسجد کی چہاردیواری میں محصور نہ سمجھ لیا جائے۔بلکہ اِس سے باہر سارے معاشرے کی پوری زندگی پر پھیلا دیا جائے۔اگر اِس میں اطاعتِ امامت،صف بندی،مساوات،تنظیم، احساس جواب دہی،ایک پکار(اذان)پر جمع ہوجانے وغیرہ کی تربیت ہوتی ہےتو اِس کا یہ مطلب ہر گزنہیں کہ اِن تعلیمات کا مظاہرہ چند منٹ کیلئے مسجد میں ہوجایا کرےاور باہر آ کر یہ ساری باتیں ختم کردی جائیں،بلکہ اِس سے غرض یہی ہے کہ یہ ساری تعلیمات پوری زندگی پر پھیل جائیں۔

مسجد کسی کی ذاتی ملک نہیں ہوتی۔پس ساری زمین کو مسجد قرار دینے کا بھی یہی مطلب ہے کہ معاشرے سے زمین کی انفرادی ملکیت کاتصور ختم کر کے اِسے عام فائدے کے لئے کُھلا رکھا جائے۔یعنی جواُسے ناجائز مقصد کیلئے رکھے یااُسے بے آباد کیے رکھےاُسے یاتو صحیح راستے پر لگایا جائے یااِس سے زمین واپس لے کر ایسے افرادِ معاشرہ کی تحویل میں دے دی جائے جوزمین کا مقصد،افادہ عام پورا کرے۔

خصائص نبوی ﷺ

(سید سلمان ندوی)

دیگر انبیاءؑ کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپ کو عطا ہوئے ہیں وہ متعدد و معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں نام بنام خود زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں، صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں، مجھے رُعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح و نصرت دی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی، غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا، مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا، مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کیلئے مبعوث ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں، مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، رُعب و داب سے نصرت دی گئی، مالِ غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا، تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنی، میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کیلئے ہے، مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں، فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری اُمت کیلئے فرض ہوئیں، مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات وہ ہیں جو اِن ہی چھ عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے مندرج ہیں۔ سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے، بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے، قرآن مجید میں آپ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں۔ وہ اِن سب کو جامع میں یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت، بہر حال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہمیں نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

رُعب و نصرت آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء دُنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے۔ یا وہ کمزور اور بے یار و مددگار رہتے، اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی خاص حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبروں

کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہیں، جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ، مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رُعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اِس بیان پر شاہد ہے، آنحضرتﷺ کا آغاز کو ایوبی بیچارگی اور مسیحی غربت سے ہوا، مگر انجام موسوی طاقت داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان و شکوہ پر ہوا اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ کی تمام تر قوت، طاقت، رُعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی، اِس سے گم گشتوں نے راستہ پایا، بھولوں نے یاد کیا، سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ جس راستہ سے نکل جاتے، گنہگار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''مجھے فتح و نصرت، رُعب و ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی، یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے۔'' علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنونِ جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی اک فریق کو جو فتح ہوتی ہے، وہ اُسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرتﷺ کے اِسم گرامی کو یہ شرف اِس لیے عطا ہوا تا کہ مزید خونریزی کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کیلئے راستہ صاف ہو قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اِس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (انفال)

''عنقریب کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال دوں گا''۔

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی۔

وقذف فی قلوبھم الرعب (احزاب وحشر)

''اور خدا نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا''۔

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے مگر جب روئے

روشن پرنظر ڈالی، کانپ کررہ گئے، بڑے بڑے سرکش قبائل آپ کا نام سن کردم بخود ہو جاتے تھے، مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کرفرمانروائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا۔ جب انہوں نے سرتابی کی، بےلڑے بھڑے آپ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی، خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دفعتہً کوکبہ اسلام طلوع ہوا تو اُن کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ ''محمد کا لشکر''! ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدانِ جنگ میں فوجوں کے پرے لگا تا رہا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اس کو لے کر اسلام کے دریائے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے گذر رہے تھے، تو ہر نئے دستہ اور نئے علم کو دیکھ کر کانپ جاتا تھا۔

بایں ہمہ اِس مجسمہ ہیبت کا حال کیا تھا، نا آشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا۔ بے خبر اِس سے رُعب کھاتے تھے اور آگاہ پروانہ تھے کہ

محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشداءُ علی الکفارِ رُحماء بینھم

محمد رسول اللہ ﷺ اوران کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں۔

ایک بدوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے ہی چہرہ مبارک پر نظر پڑی، کانپ گیا فرمایا ڈرو نہیں، میں بادشاہ نہیں میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی، حضرت مخرمہ صحابیؓ نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت ﷺ زنانخانہ میں ہیں، آپ کو آواز دو، وہ ہچکچانے لگے، باپ نے کہا جان پدر! محمد ﷺ جبار نہیں۔ یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رُعب، تیغ وسنان کی چمک، فوج وعسکر کے نظم، جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست   ہیبت ایں مردِ صاحب دلق نیست (رومی)

سجدہ گاہِ عام اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے کیلئے چند گھری ہوئی چہار دیواریوں کی محتاج ہیں، گویا ان کا خدا اِن ہی کے اندر بستا ہے۔

یہود اپنے صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں، نہ قربانی پیش کر سکتے ہیں، عیسائی اپنے کینسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ یہاں تک کہ بت پرست قومیں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چہار دیواریوں کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتی ہیں، لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اِس آب وگل اور سنگ وخشت کی چہار دیواریوں میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے، وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے، مسجدوں کے باہر بھی ہے، اِس کی قربانی مشرق ومغرب ہر جگہ گذرانی جا سکتی ہے۔

اینما تولو فثم وجه اللّٰه جدھر بھی منہ پھیرو، اُدھر ہی خدا کا منہ ہے۔

ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد

آپ نے فرمایا کہ "میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی" یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اِس کے اندر وہ صداقت پنہاں ہے جو اسلام کی عالمگیری اور اس کے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتی ہے۔

پیرووں کی کثرت دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے، مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم وہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں، یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام ونشان نہیں۔ وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں، ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے، حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ، حضرت موسیٰؑ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے سو۱۰۰ بھی ہوں، حضرت موسیٰؑ کی کوششوں کے جولانگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے، جو قدم قدم پر راہِ حق سے ہٹ ہٹ جاتے تھے، کہیں سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر راثر دکھاتے ہیں کہ چند دہائی انسان اُن کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں، مگر اِس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے، ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اُس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ نے تن تنہا بے یار ومددگار متلاشیان حق کو

صدائے توحید دی، جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی، لیکن ۲۳ سال نہ گذرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ کلمہ **لا الـــٰہ الا اللّٰـــہ** سے پُرشور ہوگیا اور جب آپ نے اِسی مکہ کی سرزمین کیلئے حجتہ الوداع کا اعلان کیا تو کم وبیش ایک لاکھ جانثار وفدا کار داہنے بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا، کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاءؑ ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی اُمت میں صرف ایک ہی نکلا۔ صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) قومیں پیش کی گئیں۔ بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے، بعض تنہا ہی تھے، اُن کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی، خیال ہوا کہ یہ میری اُمت ہوگی تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم ہے، پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو! تو اتنا سوادِ عظیم نظر آیا کہ اس سے اُفق چھپ گیا، پھر کہا گیا، اِسی طرح ادھر دیکھو، بڑی تعداد کثیر دکھائی دی، کہا گیا کہ یہ سب تیری اُمت ہے۔

دعوت عام محمد رسول اللہ ﷺ کے پیرووں اور حلقہ بگوشوں کی کثرتِ تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے، وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے، اِن کی دعوت عام نہ تھی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی، کالے، گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی، سب آپ میں برابر کے حقدار ہیں قرآن نے کہا:۔

وما ارسلنک الا کافۃً للناس (سبا)

''اے محمد ﷺ! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کیلئے بھیجا ہے''۔

تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً (فرقان)

''بابرکت ہو وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اُتارا تا کہ وہ تمام دُنیا کو مطلع کرے''

صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کیلئے بھیجا گیا ہوں"۔ اِس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہیں، اِس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھ جاؤ، سب کے پیروؤں کو اس کی زندگی میں خود اُسی کے قوم وملک کے اندر محدود پاؤ گے، لیکن آپ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ سب کو پاؤ گے، سلاطین عالم کے نام آپ کا دعوت نامہ بھی اِسی تعمیم دعوت کی مستحکم عملی دلیل ہے۔

جوامع الکلم دنیا میں کئی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، مگر اِن میں ایک کے سوا صفت جامعیت سے سب محروم ہیں، توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام قوانین کا مجموعہ ہے، عقیدہ توحید ورسالت کے سوا تمام دیگری ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام وقائق اخلاق سے یکسر خالی ہیں، زبور صرف دُعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے، سفر ایوبؑ میں صرف عقیدہ تقدیر ورضا کی تعلیم ہے، امثال سلیمان صرف مواعظ وحکم ہیں، دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ وندامت، پیشنگوئی اور ماتم ہیں، انجیل کا صحیفہ، حضرت مسیحؑ کی سرگذشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے، لیکن محمد ﷺ رسول اللہ کو جو صحیفہ ملا، وہ جوامع الکلم ہے، یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے، وہ توراۃ بھی ہے، اور انجیل بھی اور کچھ اِن سے زیادہ بھی، اِس لئے آپ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، بیہقی میں حضرت واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھے توراۃ کی جگہ **سبع طوال** (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ **مئین** (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں)، انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں، اور سور مفصلات زیادہ ملیں۔ ابونعیم میں یہی روایت اِن الفاظ میں ہے کہ مجھے مثانی توراۃ کی جگہ، مئین انجیل کی جگہ، حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں۔

اِس لیے قرآن مجید، توراۃ، زبور اور انجیل کو جامع ہے، اور اُن کے سوا کچھ اور بھی ہے، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق ومواعظ بھی ہے، دعا ومناجات بھی ہے، اِس میں دین کامل کے تمام

عقائد ہیں۔تمام مراسم عبادات ہیں،تمام معاملات کے احکام وقوانین ہیں،اِس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کیلئے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں،صرف توراۃ کے اسفارِ خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں۔صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا مکمل سرمایہ نہیں، یہاں تک کہ اُن کے علاوہ عبادات بھی اُن کے صحیفوں کے رہین منت نہیں،اور وہ ان کی صحیح تفہیم سے یکسر خاموش ہیں۔لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں۔اور باہر جو کچھ ہے (احادیث) اُس کی عملی توضیح وتفسیر ہے، وہی تنہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل اور ہر سوال کا جواب ہے اور اسی لیے اِس کے پیرو کامل **حسبنا کتاب اللّٰہ** (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ فخر بلند کرتے ہیں۔

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اِس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں۔اِس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہا نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیہ اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کیے ہیں، تاہم اِس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا، اور اِس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہو سکا۔

تکمیل دین اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا، کامل ہوگا۔قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماعِ عظیم کے دن (حجۃ الوداع) یہ اعلام عام کیا:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ۔ (مائدہ)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لیے پسند کیا''۔

اسلام قرآن کے عقیدہ کے مطابق اُس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا، اور وہ عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا۔

اور یہ منصب خاص صرف آپ کی ذاتِ پاک کیلئے روزِ اول سے مقدر ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا **انا خاتم النبین و آدم منجدل فی طینته** ۔ میں پیغمبر آخر تھا اور آدم! ابھی آب و گل میں پڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے۔ فرمایا "میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسا ایک شخص نے ایک عمارت بنائی، لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، لیکن دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری اینٹ ہوں"۔ عمارت دین و نبوت ہے، اس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین و شریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

دائمی معجزہ وہ دین جو مختلف انبیاء علیہم السلام کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا، چونکہ وہ محدود زمانوں کیلئے آیا کیا اس لیے اُن کے معجزے بھی محدود الوقت تھے، یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مٹ گئے، لیکن جو دین محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آیا تھا کامل تھا، اور قیامت تک کیلئے آیا تھا، بنا بریں اس کیلئے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ صحیفۂ اسلام ہے صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو وہ معجزہ ملا، جس پر اس کی اُمت ایمان لائی، لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے جو خدا نے بھیجی تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔ یہ خیال مبارک اسی لئے تھا کہ آپ کا معجزہ وحی قیامت کیلئے ہے، اس لیے اُس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے، اس لیے وہ تحریف و تغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا، اسی لئے وہ ہمیشہ کیلئے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا۔ **و انا له لحافظون** (حجر) اور ہم ہیں اِسکے محافظ۔

ختم نبوت یہ رُعب و نصرت، یہ پیرووں کی کثرت، یہ سجدہ گاہِ عام، یہ اعجازِ دوام، یہ جوامع الکلم، یہ دعوتِ عمومی، یہ تکمیل دین، یہ آیاتِ مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا، اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور اب

دنیا کسی نئے آنے والے وجود سے مستغنی ہوگئی، اسی لئے قرآن پاک نے عہد نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (مائدہ)

"آج میں نے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا"۔

یہ آیت جو ذوالحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی، اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا، وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اُس سے پہلے ۵ھ میں بھی یہ بشارت اِن الفاظ میں گوش گذار ہوچکی تھی۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبین ٥ (احزاب)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں"۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اُس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اُس کے اندر جاسکے"۔ اِسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں"۔ جو اِس بات کی علامت ہے کہ اِس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اِس کے اندر گئی ہے اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے، اِس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں۔

دُنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوتِ محمدی ﷺ کے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا۔ معمار عمارت میں اِس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا۔ درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا، جس کیلئے غروب نہیں، طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغ کائنات میں وہ سدابہار موسم آ گیا، جس کے بعد پھر خزاں نہیں،

شفاعتِ اولین عرصہ داروگیر محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا، اور گنہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا، اس وقت سب سے پہلے فخر موجودات باعثِ خلق کائنات، سید اولادِ آدمؑ، خاتم الانبیاء ورحمت عالم ﷺ ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور فرقِ مبارک پر تاجِ شفاعت رکھ کر گنہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ "شفاعت" اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے، جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ "کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گذار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اُس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ آپ کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپ گنہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اُس کے سامنے ان کی بخشائش ومغفرت کی درخواست پیش کریں گے، سورہ اسرا میں ہے۔

عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً

"قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اُٹھائے"۔

اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ مقامِ محمود سے مراد "رُتبہ شفاعت" ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا "یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے"۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے تھے، یعنی اُن کی حق میں شفاعت کے اثر کے قائم نہیں، مدینہ منورہ آئے، یہاں مسجد نبویؐ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے، اِن میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا "اے رسول اللہ ﷺ کے صحابی! آپ کیا فرما رہے ہیں! خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے"۔ یہ کہکر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی، جس کا مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اُسی میں ڈال دیے جائیں گے، **كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا فيها** ۔ حضرت جابرؓ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے، اُس نے جواب دیا "ہاں" فرمایا تم نے اِس "مقامِ محمود" کا حال سنا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو

مبعوث کرے گا، اُس نے کہا "ہاں سنا ہے"۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ ﷺ کا مقامِ محمود ہے جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا، نکالے گا"۔ یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ "کیا یہ بوڑھا صحابیؓ رسول پر جھوٹ بولے گا؟"۔

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر اُمت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی، اور کہے گی کہ "خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے"۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت ﷺ تک پہنچے گا، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود میں اُٹھائے گا، جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "جو شخص اذان سن کر یہ دُعا مانگے گا کہ اے خدا جو پوری دُعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے، محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اِسکے لئے میری شفاعت اُترے گی۔ آپ نے فرمایا کہ "ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مستجاب دُعا دی گئی، میں نے اِس دُعا کو اپنی اُمت کیلئے چھپا رکھا ہے"۔ پھر فرمایا ہے کہ "مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں۔ اِن میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ (یعنی شفاعت اولین) موطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہر نبی کو ایک مقبول دُعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگی اور وہ قبول کر لی گئی۔ لیکن میں اپنی دُعا کا موقع قیامت کے دن کیلئے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی اُمت کی شفاعت ہے۔ فرمایا کہ "میں سب سے پہلے شفیع ہوں گا اور وہ سب سے پہلا شخص جس کی شفاعت قبول کیجائے گی"۔ اور فرمایا کہ "میں پہلا ہونگا جو جنت کی شفاعت کریگا۔

اُس دن جب دُنیا کی گنہگاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد ترساں و لرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈے گی، کبھی نوحؑ و ابراہیمؑ کو یاد کرے گی، کبھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرف بیتابانہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہو گی۔ بالآخر شفیع المذنبین، سید الاولین والآخرین آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیغام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ "آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا، آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے، وہ جواب دیں گے کہ "میرا یہ رُتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا، نفسی نفسی! (اے میری جان! اے میری جان!!) لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گذار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے، وہ کہیں گے کہ ہمارا یہ رُتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دُعا کا موقع عنایت ہوا تھا، وہ اپنی قوم کی تباہی کیلئے مانگ چکا، نفسی نفسی! تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ مخلوق اِن کے پاس جائیگی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ "آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے"۔ وہ بھی کہیں گے "میرا یہ رُتبہ نہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا قیامت میں میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام اور اِن کی شفاعت کا پیروکار ہوں گا اور اِس پر فخر نہیں۔ پھر فرمایا میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور اِس پر فخر نہیں، اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور اِس پر فخر نہیں، اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ نیز ارشاد ہے "لوگ قبروں سے جب اُٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اُٹھنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے، تو اِن کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا، جب وہ نا امید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا۔ اِس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا۔

(و صلے اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وسلم
علـــی صـــاحبهـــا الـــصلـــوٰ والتحیة)

ماخوذاز (سیرت النبی ﷺ)

نفس کے احوال اور اس کا محاسبہ

(سید خالد محمود توحیدی)

نفس کے معنی ہیں انسانی ذات یا خودی۔ نَفَس (ف کے زبر کے ساتھ) کے معنی سانس یا ہوا کے ہیں اسکی جمع انفاس ہے۔ نفس کو انسانی ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسکو صاحب اختیار اور ارادہ بنایا گیا ہے۔ انسانی ذات (نفس) ہر ایک کو اللہ کی طرف سے وہبی طور پر ملتی ہے اسکی اصلاح و تربیت کرنا انسانی زندگی کا مقصود ہے جس نے اس کو سنوار لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اسے دبائے رکھا وہ تباہ ہو گیا۔ جسکے نفس کا تزکیہ نہیں ہوا ہوگا اللہ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد اور منصب بھی اللہ کی عطاء کردہ تعلیم کتاب و حکمت سے مومنین کا تزکیہء نفس کرنا تھا۔ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں انسان کے اوپر کے نصف دھڑ کو جسم ملکوتی اور نیچے کے نصف دھڑ کو جسمِ نفسانی کہتے ہیں نفس لطائفِ ستہ میں سے ایک لطیفہ ہے جس کا مقام جسمِ انسانی میں ناف کے متصل ہے۔ نفس ایک خواہش کا نام ہے جس میں بے پناہ طاقت ہے۔ اسلامی تصوف میں نفس کو بالکل ہلاک کر دینا اور خواہشات کو قطعاً مٹا دینا منع ہے بلکہ نفس کو اس کی طبعی خواہشوں سے باز رکھا جائے۔ نفس جب کوئی بری خواہش کرے تو اس کا مقابلہ کیا جائے اور ایسی خواہش کو ہرگز پورا نہ ہونے دیا جائے تا کہ اس میں ضبط اور کنٹرول کی طاقت پیدا ہو جائے۔ خواہشات نفس کا مقابلہ کرنے سے روحانی قوت بڑھتی ہے نفس رفتہ رفتہ اماریت سے لوامیت اور پھر ملکوتیت اختیار کر لیتا ہے۔ اگر ہمارا دل نفسانی خواہشات سے معمور ہو تو اللہ کی رحمت بھی ہمارے دل کا رخ نہیں کرتی۔ نفس کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ نفس کا لوگوں پر غلبہ ہو گیا ہو اور نفس نے ان کو قابو میں کر کے انہیں تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچا دیا ہو اس طرح وہ نفس کے غلام مطیع و فرمانبردار بن گئے ہوں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ انہوں نے نفس کو اپنے قابو میں کر لیا ہو اور نفس بھی ان سے مغلوب اور شکست کھا گیا ہو، اور ہر کام میں اطاعت و فرمانبرداری کرنے لگا

ہو۔ راہِ سلوک و طریقت کے طالب کا سفر اس کے اپنے نفس پر قابو کر لینے اور اس پر پوری طرح دسترس حاصل کر لینے کے بعد مکمل اور پورا ہو جاتا ہے سو جس نے اپنے نفس کو قابو میں کر لیا وہ کامیاب اور بامراد ہوا، اور جس پر اس کے نفس نے غلبہ حاصل کر لیا وہ نا کام اور تباہ و برباد ہوا۔ نفس لوگوں کو طغیان، سرکشی، کبر نفس اور دنیوی زندگی کو ترجیح کی دعوت دیتا ہے اور انہی باتوں کو بندے کی نگاہ میں باعث فضیلت بناتا ہے جبکہ اللہ تعالٰی لوگوں کو نفسانی خواہشات سے روکتا ہے اور اپنے خوف و خشیت کی طرف بلاتا ہے۔ اس طرح دل دو عوامل اور جذبات کے درمیان گھرا ہوا رہتا ہے، کبھی بندے کا میلان اور جھکاؤ اللہ کی دعوت کی طرف ہوتا ہے کبھی اپنے نفس کی دعوت کی طرف، اور اس لئے دل سخت ترین آزمائشی دور سے گزرتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرشتے پیدا کیے اور ان کو عقل عطا فرمائی لیکن نفس نہیں دیا۔ حیوانات پیدا کیے اور ان میں نفس رکھا اور عقل نہیں دی۔ انسان کو پیدا فرمایا تو اس میں نفس اور عقل دونوں رکھ دیں جو نفس پر غالب آ گیا وہ فرشتوں سے افضل ہو گیا۔ جنکو نفس نے مغلوب کر دیا ہو وہ حیوانوں سے بدتر ہیں۔

نفس کا مطلوب

چار چیزیں ہیں۔ راحت، زینت، لذت، شہرت۔ شہرت نفس کا مطلوب حقیقی ہے۔ شہرت کو حاصل کرنے کیلئے نفس کو جو روپ دھارنا پڑے اس پر مائل ہو جاتا ہے اگر دینی لبادہ اوڑھنے میں شہرت حاصل ہوتی ہے تو وہ بزرگوں کی وضع قطع اختیار کر لیتا ہے

نفس کے دعوے اور افعال

1- نماز کے وقت نیند کا آنا۔ غفلت
2- زیادہ کھانے کو طبیعت چاہنا۔
3- زیادہ سونا۔ غصہ اور تکبر کرنا۔
4- غصہ نکالنے کیلئے انتقامی کاروائی۔
5- خود پسندی اور شہوت ولذات
6- ریاء عجب، غیبت اور فسق و فجور لہو لعب

یہ نفس شہوت کے وقت حیوان جیسے افعال کرتا ہے غصّے کے وقت درندہ بن جاتا ہے اور مصیبت کے وقت چھوٹے بچے کی طرح آہ و زاری کرتا ہے اور آرام و آسائش کے وقت فرعون بن جاتا ہے جب بھوکا ہوتا ہے تو پاگل ہو جاتا ہے اور جب سیر ہوتا ہے تو سرکش بن جاتا ہے۔ یہ

ایسا دھوکہ باز مکار ہے کہ مومن کے اعمال حسنہ کو ریاء کے ذریعہ ضائع کرتا ہے۔ نفس کی خباثت ستر شیطانوں سے بھی زیادہ ہے۔ قرآن میں شیطان کے مکر کو بودا اور نفس کے مکر کو عظیم قرار دیا گیا ہے۔ انسان پر جملہ مصیبتوں کی وجہ نفس کا شر ہے۔ نفس تو ایسا جابر حکمران ہے جب اس کی طاقت بڑھ جاتی ہے تو انسان کو ایک پل بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا اور جن چیزوں سے شریعت نے اسکو روکا ہے ان پر رغبت کرتا ہے اس کی خواہشات خارش کی طرح ہوتی ہیں جتنا کھجلاتے جاؤ مگر افاقہ نہیں ہوتا اس لئے نفس کی طرف سے ہر وقت ہوشیار رہنا ضروری ہے۔ نفس برائیوں کی طرف فوراً لپکتا ہے اور نیکیوں کی طرف سو حیل وحجت کرتا ہے اپنے ہر کام پر جلد نتیجہ و ثمرہ دیکھنا چاہتا ہے تھوڑی دیر ہو جائے تو بے صبر اور عدم استقلال کا شکار نظر آتا ہے۔ نفس بڑا ضدی ہے جس لذت کی چاٹ اُسے پڑ جاتی ہے یا جو خواہش اس میں پڑ جاتی ہے وہ اس میں اَڑ جاتا ہے اور ہر طرف سے انسان کو گھیر گھار کر اسی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے چونکہ اسکی اصل خراب نہیں اس لئے ہدایت کی ذرا سی تحریک سے اسکی اصلاح بھی ہو جاتی ہے نفس وہی حالت اختیار کرتا ہے جس پر انسان اسے رکھے اگر اسے خوب کھلایا جائے تو اس کی شہوتیں جوش میں آتی ہیں اور بقدر کفایت اسے غذا دی جائے تو اسی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ گویا نفس کو جس چیز کا عادی بنایا جائے تو وہ اسی کا عادی بن جائیگا۔ اگر نفس میں بُری خواہش پیدا ہو تو فوراً پاس انفاس کے ذریعہ اللہ کی طرف رجوع کرو۔ پھر بھی کام نہ بنے تو وضو کر کے نوافل پڑھیے اور استغفار کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت خلافِ نفس کام کرنے سے حاصل ہوگی اور دوزخ میں لوگ شہوات کی پیروی کی وجہ سے جائیں گے (الحدیث) نفسانی خواہشات پر عمل کرنے سے برکات ختم ہو جاتی ہیں دل صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے نفس پر غلبہ کی کنجی یہی ہے کہ اس کی مراد پوری نہ ہو۔ اغراض کا دل میں پیدا ہونا، نفس میں سرکشی اور رعونیت پیدا کرتا ہے اس کی سب سے اچھی صورت یہی ہے کہ شروع ہی سے اسکی خواہش کو دل سے نکال باہر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نفس کے مندرجہ ذیل تین اوصاف بیان فرمائے ہیں

نفسِ امّارہ جو نفس کہ طبیعت عنصری اور عادات سفلی کی تاریکی میں پوری طرح گھرا ہوا ہوتا

ہے جس کی سرشت اور فطرت میں شر اور برائی موجود ہے۔اس کے شر اور برائی سے نجات محض اللہ تعالٰی کی توفیق اور مہربانی سے ہو سکتی ہے۔ ایسے نفس کیلئے اللہ تعالٰی قرآن میں فرماتا ہے: بیشک نفس البتہ برائی کا حکم دیتا ہے (سورۃ یوسف 53:12) ۔یہ نفس انسان کو برے کاموں کا حکم دیتا ہے، اگر اللہ تعالٰی اپنا دستِ شفقت بندے اور نفس کے درمیان سے اٹھا لے تو برے اعمال کے نتائج سے ہلاک اور تباہ برباد ہو جائے۔اللہ تعالٰی سے ہم اپنے نفس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں نفس امارہ کا دوست اور ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ جو بندے کو نہ ختم ہونے والی آرزوں اور تمناؤں میں لبھائے رکھتا ہے باطل اور ناحق چیزوں کو خوبصورت بنا کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے امیدوں کو طول طویل کرتا ہے شر و برائی کو ایسے طریقے سے پیش کرتا ہے کہ نفس اس کو اچھا سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔شیطان اور نفس امارہ کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہونے دیتے جو اللہ تک پہنچ جائے۔نفس امارہ اکثر شر کی خواہش کرتا ہے اور نادم بھی نہیں ہوتا اسی کو ہوائے نفس کہتے ہیں اس کا فعل غفلت اور شہوت ہے۔غفلت سے شہوت پیدا ہوتی ہے یہ نہایت نقصان دہ اور دوست نما دشمن ہے اور اس کی آفات نہایت سخت ہیں یہ گھر کا چور ہے۔اوّل روز سے جو ذلت، خواری، تباہی، گناہ اور آفت و مصیبت دنیا میں واقع ہوئی اور قیامت تک ہوگی سب اس نفس کے باعث ہی ہوئی اور ہوگی۔نفس امارہ کو نیک اعمال اور اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی چیز ناگوار نہیں اور خواہشات سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز اور پیاری نہیں۔

علاج: اس کی اصلاح ریاضت و تقویٰ سے کی جاتی ہے نفس امارہ پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے اس کا محاسبہ اور اسکی مخالفت کی جائے۔نفس کی اصلاح اسکی مخالفت میں پوشیدہ ہے مجاہدہ نفس کو رسول کریم ﷺ نے جہادِ اکبر کا نام دیا ہے۔مومن اپنے نفس کا نگران ہوتا ہے اپنے نفس کی طرف سے اسکی حرکات، سکنات، اور خطرات پر دباؤ ڈالنے سے قطعی غافل نہیں ہوتا۔اسے اپنے من میں ہی ذلیل و خوار رکھا جائے تاکہ لگام آئے، اس کو شہوت سے روکا جائے کیونکہ اڑیل حیوان، خونخوار درندے جیسے شیر جس کو کم خوراک دی جاتی ہے تاکہ نرم ہو پھر سرکس میں جس طرح نچایا جائے

ناچتا ہے اسی طرح گدھے کو کم چارہ اور زیادہ بوجھ ڈالا جائے تو مطیع رہتا ہے۔

نفسِ لوّامہ (ملامت کرنے والا نفس): انسان کے اندر صحیح یا غلط بات کو اختیار کرنے کی صلاحتیں ہیں جو باہمی کشمکش میں رہتی ہیں انسان جس بات کو معیوب سمجھتا ہے اس پر اپنی ذات کو سرزنش کرتا ہے اس ابھرنے والے جذبہ کو نفس لوّامہ کہتے ہیں۔ جب نفس گمراہیوں اور ظلمات کی پستیوں سے نکلنا چاہتا ہے اور برقِ ہدایت اس پر وقتاً فوقتاً روشنی ڈالنے لگتی ہے تو اسے اپنی ضلالت وگمراہی کا شدید احساس ہونے لگتا ہے اور معصیت سے بھاگنا چاہتا ہے اور ہر معصیت پر ملامت کا اظہار کرتا ہے اُس وقت اُسے نفس لوّامہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ**۔ (قسم ہے ملامت کرنے والے نفس کی) نفس کبھی ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ اس میں تغیر، تبدّل اور تلوین پیدا ہوتا رہتا ہے کبھی ذکر سے وہ سرشار رہتا ہے تو کبھی غفلت ولاپرواہی میں مبتلا ہوجاتا ہے اور کبھی احکامِ الٰہی کے قبول کرنے میں اپنی سعادت ابدی سمجھتا ہے تو کبھی ان سے اعراض بھی کرتا ہے اور کبھی محبت کا برتاؤ کرتا ہے تو کبھی بغض رکھتا ہے۔ خوش اور رنجیدہ رہتا ہے اور کبھی راضی اور کبھی غصہ میں ہوتا ہے اور کبھی انتہائی مطیع فرمانبردار اور ڈرنے والا ہوجاتا ہے۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نفس لوّامہ کی دو قسمیں ہیں: لوامہ ملومہ اور لوامہ غیر ملومہ۔

نفس لوامہ ملومہ: جاہل، ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا نفس ہے، جس پر اللہ اور فرشتوں کی طرف سے ملامت نازل ہوتی ہے۔

نفس لوامہ غیر ملومہ: یہ نفس بندے کو اللہ کی عبادت وطاعت میں کوتاہی کرنے پر ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے۔ اللہ کی رضا کی خاطر ہر ملامت کرنے والے کی ملامت کو برداشت کرتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "تم مردِ مومن کو اس حال میں دیکھو گے کہ ہمیشہ اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے"۔

نفسِ مطمئنہ: اگر نفس کو اللہ کی عبادت واطاعت سے سکون واطمینان حاصل ہو، اسکی طرف انابت سے خوشی ہو، اس کی ملاقات کا آرزومند، مشتاق اور اس کے قرب حاصل کرنے

میں اُنس میسر ہو۔ اگر نفس مغلوب ہوگیا ہو اور اس میں شانِ اطاعت پیدا ہوگئی ہو تو اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ یہ امورِ خیر میں مزاحمت تو نہیں کرتا مگر وساوس وخطرات پیش آتے ہیں لیکن سالک کے اشارے پر درست ہو جاتا ہے۔ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ مومنوں کے قلب کو سکون پہنچانے کے لئے اور ایمان میں اضافہ کے لئے سکینہ نازل فرماتا ہے تا کہ سالک استقامت اختیار کرنے اور حقِ عبودیت کو مکمل طور پر بجالانے کیلئے کوشاں رہے۔ جب نفس پر قلب کی معرفت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تو وہ عقل کی معاونت کرتا ہے اور اس میں تکمیل کی جستجو پیدا ہو جاتی ہے۔ قلبی انوار، نفس حیوانی پر قابو پا لیتے ہیں اور نفس اپنی اعلیٰ حدوں میں داخل ہو جاتا ہے پھر یہی نفس اپنے ربِّ کریم کی تجلیوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ نفس کو پہچاننے کے بعد نورِ عرفان حاصل ہوتا ہے، جس وقت نفس کو شک سے یقین پر، جہالت سے علم پر، غفلت سے ذکر پر، خیانت سے توبہ پر، ریاء سے اخلاص پر، جھوٹ سے سچائی پر اطمینان ہو جائے تو یہ نفس مطمئنہ ہے۔ ان میں اصل بات انسان کی ایسی بیداری ہے جو اس کے دل سے غفلت کی نیند کو دور کردے اور بیداری کے بعد وہ اپنی باقی عمر کی تلافی کیلئے از سرِ نو زندگی کا استقبال کرتا ہے۔ گذشتہ زندگی میں جو کوتاہیاں اور لغزشیں ہوئیں انہیں دور کرنے کیلئے پختہ عزم وارادہ کے ساتھ پھر سے نئی روحانی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ اس بیداری میں اسے اپنے وقت کی قیمت اور اس کی سنگینی کا بھی احساس ہوتا ہے اور جان لیتا ہے کہ وقت ہی اس کا اصل سرمایہ اور زندگی میں روحانی ترقی کی حقیقی پونجی ہے۔ نفس کی یہ بیداری دراصل نفس مطمئنہ کی سب سے پہلی منزل بھی ہے اور مردِ مومن کا اللہ تعالیٰ اور دارِ آخرت کی طرف سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

کیا ہم عاشق رسولؐ ہیں

(پروفیسر محمد فاروق)

سرورِ کائنات، والیِ دو جہاں، وجہِ تخلیقِ کائنات، نورِ ہدایت ﷺ کی مدحت سرائی کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ظلمت اگر نور کی حمد سرائی کرے تا کیوں کر کر سکے گی۔ جامعیت، اکملیت کی تعریف بے کس سے کیونکر ہو۔ کمال ولازوال کے قصے بے کمال وزوال کی استطاعت میں نہیں۔ پھر اس معاملے میں پیر صاحب حضرت مہر علی شاہ صاحب کے پیرو ہوئے بن رہا نہ جائے گا۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

حبِ رسول اور عاشقِ رسول ہونے کا تاج ہم میں سے ہر اک اپنے سر پر سجائے پھرتا ہے کسی سے بھی پوچھا جائے کہ آپ کو نبی آخر الزماں سے محبت ہے تو بغیر کسی تامل کے جواب ملاحظہ کیجئے! ''کیوں جناب اس میں کیا شک ہے اِس کے بغیر تو ایمان نامکمل ہے بلکہ ایمان ہے ہی نہیں'' پھر سننے کو ایک لمبی تفصیل ملے گی ''جنابِ مدحتِ مصطفیٰ ﷺ، عشقِ رسول ﷺ تو صحابہ کی کیا فرشتوں اور خدا کی سنت ہے۔ وہ اپنے نبی کی تعریف کرتا ہے، محبت کرتا ہے، اور پھر جناب یہ سننے کو ملے گا ''عشقِ مصطفیٰ میں موت بھی قبول ہے''۔

کسی بھی مسلمان بلکہ کسی بھی مذہب کے پیروکار کیلئے مذہبی پیشوا سے محبت کا ہونا اشد ضروری

ہے۔سرکارِ دوعالمؐ کا بھی ارشاد ہے۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب علیه من والده وولده والناس اجمعین o

ترجمہ" تمہارا ایمان اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں تم کو تمہارے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں"۔

چنانچہ یہ بات تو شک طلب ہے ہی نہیں کہ عشقِ رسولؐ کی کیا اہمیت ہے، احکام خداوندی اور آقاﷺ کے ارشادات قابلِ بحث ہیں۔

عشقِ رسولؐ کا دعویدار ہونے کے باوجود بھی ہم رسولِ خداؐ سے کیوں دور ہیں کیوں ہماری زندگیوں میں سکون چین، آسودگی ناپید ہیں کیوں ہماری روح بے چین ہے اگر اِک لمحے کیلئے سچے دل سے سوچا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہم عشق محبت پیار اور غلامی کے مفہوم سے نابلد ہیں۔

اگر ہم ہادیِ دو جہاں کی ظاہری صورت کو اِک نظر دیکھیں تو بلاشبہ یہ بات حقیقتِ لازوال ہے کہ آپ ظاہری حسن و جمال کے بے مثل مظہر تھے۔

اگر آپؐ کی بود و باش پر غور کریں تو کچھ سوال غور طلب ہیں۔

(i) کیا آپؐ کا لباس روایتی عرب لباس سے مختلف تھا؟

(ii) کیا آپؐ کی خورد و نوش علاقائی نہ تھی؟

(iii) کیا آپ کی زندگی "حاجات انسانی" سے بے نیاز تھی؟

آپ کا لباس یقیناً عربی روایت کے مطابق تھا لیکن اِک اختلاف ضرور تھا وہ تھا لباس جسد خاکی کو ڈھانپنے کے لئے نہ کہ ظاہری شان و شوکت کیلئے، سادگی تھی جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ پیوند بھی لگے تھے۔اِس زمانے میں یہ رواج تھا کہ اعلیٰ نسل کے کپڑے سے خلعت تیار کی جائے جو کہ قبائلی شان و شوکت کی علمدار تھی آپ قریش کے معزز ترین قبیلے سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ لباس زیبِ تن کرتے تھے جو کہ انسان کی بنیادی ضرورت کیلئے ہو۔

اگر آپ کی خورد ونوش کی طرف نظر دوڑائی جائے تو وہ بھی عرب کے رہی کھانے تھے۔ کھجور، دودھ مرغوب غذائیں تھیں جو عرب میں میسر تھیں۔ پھر غارِ حرا میں جو اور پانی تھا۔

اِک بہت ہی اختلافی مسئلہ جو کہ آج بھی بہت سی مذہبی محافل کا نقطہ بحث ہوتا ہے۔ داڑھی ہے آپؐ داڑھی مبارک چہرہ انور پر سجائے ہوئے تھے جو کہ عربوں کی اِک علاقائی ضرورت اور رواج تھا، اِس سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو داڑھی انسان کی سادگی، عاجزی کا مظہر اور ظاہری حسن وشان وشوکت سے بیزاری اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے اور آپؐ عاجزی اور سادگی کا منبع تھے۔

اِک اور سوال کیا آپؐ انسانی ضروریات سے مستثنیٰ تھے؟ نہیں۔ آپؐ نے بھی اُس دور کے رواج کے مطابق زندگی گزاری، آپؐ نے تجارت کی، آپؐ نے شادی کی، بچوں کی پرورش کی اور تمام معاشرتی فرائض احسن طریقے سے سرانجام دیئے۔

اگر آپ کی ظاہری زندگی یا جسے ہم بود وباش یا رہن سہن عرب کی روایات کے مطابق تھا تو پھر اُن سے آپ کی انفرادیت کیسے نظر آسکے گی؟

اگر لباس کی بات کی جائے تو وہ انتہائی سادہ تھا، جو کہ انسانی تن کے ڈھانپنے کے لئے ضروری ہو وہ اُن رنگینیوں اور خوشنمائیوں سے عاری تھا جو انسان کی شان وشوکت اور خود نمائی کیلئے ہوتا تھا۔ اُس وقت جب عرب کے سردار ریشمی اور نرم ونازک لباس زیبِ تن کیا کرتے تھے آپ نے سادگی اور عاجزی کو فروغ دیا، اگر دیکھا جائے آج کیا ہم لباس کے معاملے میں سنت کے پیروکار ہیں۔ ہمارا لباس ہمارا، چوغہ ہماری خلعت، ہمارا جبہ، ہماری دستار کیا سنت مصطفیٰؐ کے مطابق ہے یا ابوجہل کے لباس کی تقلید ہے۔

خوراک انسان کی بنیادی ضرورت ہے وہ کہتے ہیں نہ کہ کچھ انسان جینے کیلئے کھاتے ہیں اور کچھ کھانے کیلئے جیتے ہیں۔ آپکا دسترخوان لغویات سے محروم تھا۔ وہ لغویات جو حیوانیت کو فروغ دیتی ہیں نوالہ رسول نہ تھیں۔ خدا نے بے شک حکم دیا ہے کھاؤ، پیو جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ احکامات اور سنت رسولؐ سے واضح کردیا کہ اعتدال پر عمل پیرا ہو۔ جبکہ آج حال یہ

ہے کہ کچھ لوگ کوڑے کے ڈھیر سے رزق کھوج رہے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ رزق کو کوڑے میں پھینک رہے ہوتے ہیں۔

''جس کا ہمسایہ بھوکا سویا، کہا گیا کہ وہ مومن ہو ہی نہیں سکتا اور جو مومن ہی نہیں اسکے منہ سے عشقِ رسولؐ کا دعویٰ ۔۔۔۔ چہ معنی دارد۔

آج ہم اپنے دستر خوانوں اور خصوصاً اپنے نام نہاد مذہبی پیشواؤں کے کھانوں کو دیکھیں تو وہ کیا یہ دستر خوانِ رسولؐ کی مثل ہے یا اُن مکہ کے سرداروں کے دستر خوانوں کی تصویر کشی ہے کہ جن کے غلام بھوک پیاس کی چکی میں پس کر جان بلب ہوتے تھے اور اُن کے آقا شراب و کباب کے مزے اُٹھا رہے ہوتے تھے ہم کھاتے وقت یہ تو سوچتے ہیں کہ بیٹھ کے کھانا سنت ہے۔ بسم اللہ پڑھ کے کھانا ہے۔ کیا کبھی ہم نے اپنے دستر خوان کو سنت رسول کے مطابق فاقوں سے سجایا ہے، کیا ہم نے شکم سیری پر اُس بھوک پیاس کو ترجیح دی ہے۔ جو کہ ہمارے ملازم، ہمارے بھائی، ہمارے ہمسائے کیلئے اطمینان کا باعث ہو۔

اِنسانی زندگی کے کچھ معاشرتی تقاضے ہیں اُسے اِس معاشرے میں آنے کے بعد مختلف کردار نبھانے پڑتے ہیں۔ یہی آپؐ نے بھی کیا۔ عرب کے معاشرے میں سنِ شباب کو پہنچے فنِ حرب میں مہارت حاصل کی۔ شجاع قرار پائے، رشتہ ازدواج میں بندھے، خاوند کی حیثیت سے اور پھر باپ اور نانا کے معاشرتی رشتے نبھائے۔

لیکن آپؐ کی جوانی ان تعیشات سے پاک تھی جو کہ اُس وقت کے نوجوانوں کیلئے باعث فخر تھی آپ شجاع تھے، فنونِ حرب سے آشنا تھے پھر آپ کی بہادری ظلم کیلئے نہیں ظلم کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کیلئے تھی۔ مگر آج ہماری قوت اپنے مخاطب فرقے کو کافر ثابت کرنے کیلئے ہے کیونکہ سچے عاشقِ رسول کی یہی نشانی ہے۔ اُس دور میں جب عالمِ شباب میں جذبات کم سنی اور خوبصورتی کے طلبگار ہوتے ہیں آپ نے بتایا کہ شادی بھی باعث ضرورت ہے نہ کہ باعثِ تعیش اور شادی قربانی اور ایثار کا نام ہے نہ کہ صرف جنسی جذبات کی تسکین۔ کیا آج ہمارے ہاں شادی کا یہی

مفہوم ہی؟۔عرب کے اس معاشرے میں جب عورت باعثِ ندامت تھی۔بیٹیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں آپ نے بیٹیوں کی اچھے طریقے سے تربیت کی اور انہیں بتایا کہ یہ واقعی باعث رحمت ہیں یہ ہی ہیں وہ جو اُلفت، محبت، قربانی کا مظہر ہیں۔کیا آج ہم بیٹی کو بیٹے کے برابر اہمیت دینے کیلئے آمادہ ہیں۔اِن کو جائیداد کی تقسیم اور پرورش کے معاملہ میں تقسیم کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔کیا ہم عاشق رسول ﷺ ہیں۔کیا ہماری معاشرتی زندگی کے یہ پہلو سنت رسول کے عکاس ہیں کیا آج ہماری نظر میں اپنی بیوی کی وہی اہمیت ہے جو حضرت خدیجہؓ کی اُن کے خاوند کی نظر میں تھی۔ کیا آج ہم اپنی بہو بیٹیوں کو آج ویسے ہی باعث رحمت سمجھتے ہیں جو کہ رحمۃ للعالمین سمجھتے تھے۔ کیا خوب بات ہے۔

کہ حضرت فاطمہؓ اُن کیلئے رحمت تھیں جو رحمۃ اللعالمین ہیں۔

کیا آج ہم اپنی بیٹی کی پیدائش پر کفارِ مکہ کی طرح شرمسار نہیں ہوتے۔

نبی پاک ﷺ چہرہ انور پر داڑھی مبارک سجائے ہوئے تھے جو کہ علاقائی رواج بھی تھا۔آپؐ کی داڑھی مبارک عاجزی اور سادگی کیلئے تھی۔سنت رسول ﷺ ہونی چاہیے۔پہلے تو یہ ہی ایک بڑا اختلاف ہے کہ کیسے ہو کس طرح سے تراشی جائے کتنی لمبی ہو اِن خرافات سے قطع نظر غور طلب مرحلہ یہ ہے کہ کیا سنت رسولؐ رکھتے ہوئے ہم عاجزی، سادگی، خود کی نفی پر عمل پیرا ہیں یا کہ ہم اِسے خودنمائی اور ریاکاری کیلئے اِستعمال کر رہے ہیں؟ کیا ہماری داڑھی اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی داڑھی میں کوئی فرق ہے۔کیا ہم واقعی سنت رسول پر عمل پیرا ہیں؟

کچھ دیر کیلئے رُک کر سوچنا ضرور چاہیے کہ کیا سنت کا مطلب ہم سمجھ پائے ہیں کیا ہم اِس پر عمل پیرا ہیں، کیا ہم عاشق رسول کہلانے کے دعویدار ہو سکتے ہیں یا صرف لفاظی ہے۔جو کہ محفل میں خودنمائی اور ریاکاری کیلئے ہے کیا ہم سنت رسول پر عمل کر رہے ہیں یا کہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

اللہ ہم سب کو عشقِ مصطفیٰ کا مفہوم سمجھنے میں مدد دے۔آمین

حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری

(طالب الہاشمی)

غزوہ بدر کے دن جب علمبردارانِ حق اور پرستارانِ طاغوت ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے تو ہنگامہ کارزار گرم ہونے سے پہلے سرورِ عالم ﷺ نے اپنے ایک انصاری جانثار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "تم دشمن سے کس طرح لڑو گے؟"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ جب دشمن دو سو گز کے فاصلے پر ہو گا تو ہم اس پر تیر برسائیں گے۔ جب وہ آگے بڑھ کر نیزے کی زد میں آئے گا تو ہم نیزوں سے لڑیں گے اور جب اس سے بھی آگے آئے گا تو ہم تلواروں سے اِس کا مقابلہ کریں گے"۔

اِن کا جواب سن کر حضورؐ کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور آپؐ نے فرمایا:

"ہاں لڑنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ تم لوگ اِسی طرح لڑنا"۔

یہ صاحب رسول جن کے بتائے ہوئے طریق جنگ کی خود سید المرسلین ﷺ نے تصویب فرمائی، سیدنا حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری تھے۔

سیدنا حضرت ابو سلیمان عاصمؓ بن ثابت کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ اِن کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عاصمؓ بن ثابت بن ابی افلح قیس بن عصمۃ بن نعمان بن مالک بن امتہ بن ضبعیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

حضرت عاصمؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ جب حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیلا تو حضرت عاصمؓ نے بھی کسی تامل کے بغیر دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ اِس طرح ان کو ہجرت نبوی سے پہلے ہی نعمت اسلام نصیب ہوگئی۔ جس دن رحمت عالمﷺ نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا وہ حضرت عاصمؓ کی زندگی کا سب سے بڑا یوم مسرت تھا۔ انہوں نے اپنے جذبہ فدویت، جوش ایمان اور پاکیزگی کردار کی بدولت بہت جلد بارگاہ رسالت میں درجہ تقرب حاصل کرلیا۔ وہ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے اور شجاعانِ انصار میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے دن جب انہوں نے حضورؐ کے استفسار پر لڑائی کا طریقہ بتایا تو ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے دوسرے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

''جو لڑنا چاہے عاصم کی طرح لڑے''۔

لڑائی شروع ہوئی تو حضرت عاصمؓ اِس جوش اور جذبے کے ساتھ لڑے کہ جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا کی۔ قریش مکہ کے ستر ۷۰ آدمی ہلاک اور ستر ۷۰ ہی مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوگئے۔ اِن قیدیوں میں مشہور دشمن دین عقبہ بن ابی معیط بھی تھا۔ اِس شخص نے مکہ میں رحمت عالمﷺ کو ستانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ یہی وہ نابکار تھا جس نے ایک دن حضور پُر نورﷺ کے دوشِ مبارک پر اس وقت اونٹ کی نجس اوجھ رکھی تھی جب آپ مسجد حرام میں سر بسجود تھے۔ لڑائی کے بعد حضورﷺ بدر سے کوچ فرما کر صفراء کے مقام پر پہنچے تو آپؐ نے حضرت عاصمؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عقبہ بن ابی معیط کو شہر خموشاں میں پہنچا دیں۔ ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ جب حضرت عاصمؓ اِس کے قتل کیلئے بڑھے تو اِس نے چلا کر کہا: ''محمدؐ میرے بچوں کا کون کفیل ہوگا؟''۔

آپؐ نے فرمایا : ''جہنم''۔جہنم سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تم خود تو جہنم میں جاؤ پیچھے اولاد کا جو حشر مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔

حضرت عاصمؓ نے تلوار کے ایک ہی وار میں عقبہ کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔

۳ ہجری میں غزوہ اُحد پیش آیا تو اِس میں بھی حضرت عاصمؓ بن ثابت جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔وہ اِس غزوہ کے اُن ابطال خاص میں سے تھے جو شروع سے لے کا اخیر تک ثابت قدم رہے۔لڑائی کے دوران میں قریش کا ایک نامی جنگجو مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نشان اُٹھائے بکارتا ہوا میدان میں آیا۔حضرت عاصمؓ کی نظر اِس پر پڑی تو انہوں نے یہ کہہ کر اِس کو تیر مارا ''یہ لے میں ہوں ابن ابی الاقلح''تیر اِس پر چند اں کارگر نہ ہوا تو انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار کے وار سے اِسے خاک وخون میں لوٹا دیا۔مسافع کے بعد اِس کا بھائی حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ للکارتا ہوا آگے بڑھا۔حضرت عاصمؓ نے اِس کو بھی جہنم واصل کر دیا۔ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں کی ماں سلافہ بھی مکہ سے مشرکین کے ساتھ آئی تھی اور میدانِ جنگ میں موجود تھی۔مسافع میں ابھی کچھ جان باقی تھی کہ اس کو اُٹھا کر سلافہ کے پاس لے گئے۔اِس نے بیٹے سے پوچھا: ''تجھ کو کس نے مارا ہے؟''اِس نے کہا ''مجھے مارنے والے نے تیر چلاتے وقت کہا تھا، میں ہوں ابن ابی الاقلح''۔اس پر سلافہ نے نذر مانی کہ میں ابن ابی الاقلح کے کاسہ سر میں شراب پیوں گی اور جو شخص اِس کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دوں گی۔گویا غزوہ اُحد کے بعد حضرت عاصمؓ مشرکین مکہ کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگے تھے۔اِس لڑائی میں اگرچہ مسلمانوں کو شدید جانی نقصان پہنچا لیکن ان کے حوصلے نہایت بلند تھے۔اِس لئے مشرکین کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ پڑا۔میدانِ اُحد سے مکہ کا نامی شاعر ابو غرہ عمرو بن عبداللہ اتقاق سے پیچھے رہ گیا تھا مسلمانوں نے اِسے گرفتار کرلیا۔یہ شخص بنو جمح سے تعلق رکھتا تھا اور اپنے اشعار میں اسلام کے خلاف سخت بدزبانی کیا کرتا تھا۔غزوہ بدر میں بھی وہ مشرکین کے ساتھ آیا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوگیا تھا۔جب اِس کو فدیہ دینے کیلئے کہا گیا تھا تو اس نے اپنی مفلسی اور تہی دستی کا عذر

پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ میری پانچ لڑکیاں ہیں۔ حضورؐ نے اِس سے یہ وعدہ لے کر آزاد کر دیا تھا کہ وہ آئندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں شریک نہ ہوگا۔ غزوہ اُحد کے موقع پر اس نے اپنا عہد فراموش کر دیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف لڑا۔ اب گرفتار ہو کر حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو بہت رویا گڑگڑایا اور جان بخشی کی درخواست کی لیکن سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: "مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔ تیری یہ مرضی ہے کہ مکہ جا کر مقامِ حجر میں بیٹھے اور داڑھی پر ہاتھ پھیر کر اور مونچھوں پر تاؤ دے کر کہے کہ میں نے محمدؐ کو دوبارہ دھوکا دیا ہے۔ یہ نہیں ہوگا" اِس کے بعد آپؐ نے حضرت عاصمؓ کو حکم دیا کہ اِس کی گردن مار دو۔ انہوں نے اُٹھ کر اِسی وقت اِس کا سر قلم کر دیا۔

صفر ۴ھ ہجری میں "رجیع" کا دردناک سانحہ پیش آیا۔ اِس سانحہ کا پس منظر کیا تھا؟ اِس کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد بنو ہذیل کے سردار سفیان بن خالد نے ایک ذلیل سازش تیار کی۔ اِس نے چند آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجے جنھوں نے سفیان کی ہدایت کے مطابق حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند مسلمانوں کو بھیجئے جو ہمارے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور چند مبلغین اسلام اِن کے ساتھ کر دیئے۔ دوسری روایت ہے کہ طلحہ بن ابی طلحہ مقتول اُحد کی بیوی اور مسافع اور حارث مقتولانِ اُحد کی ماں سلافہ بنت سعد نے سفیان بن خالد ہذلی کو ترغیب دی کہ وہ کسی حیلہ سے مدینہ منورہ جا کر چند مسلمانوں کو اپنے ساتھ لائے۔ ان میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح بھی ہوتا کہ وہ اِس کو قتل کر کے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لے سکے۔ اِس کے عوض وہ سفیان کو سو اونٹ انعام دے گی۔ ساتھ ہی اِس نے قسم کھائی کہ جب تک اِس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوگی وہ سر میں تیل نہ ڈالے گی اور نہ بستر پر سوئے گی۔ سفیان بن خالد نے اِس کو تسلی دی کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہ ضرور کیا جائے گا۔ چنانچہ اِس نے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور چند دن مسلمانوں کے مہمان بن کر

اسلام کی تعلیم حاصل کی۔اِس کے بعد انہوں نے رحمت عالمﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ اپنے چند صحابہ کو روانہ فرمائیں تا کہ وہ ہمیں اور ہمارے دوسرے اہل قبیلہ کو اسلام کے عقائد سکھائیں۔حضورﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور دس صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک جماعت ان کے ساتھ کر دی (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔دوسرے اہل سیر نے اِس جماعت میں شامل صحابہ کی تعداد چھ بتائی ہے)اِس جماعت کا سردار حضورﷺ نے باختلاف روایت حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی یا حضرت عاصمؓ بن ثابت کو مقرر فرمایا۔جب یہ جماعت (مکہ اور عسفان کے درمیان ہدہ سے سات کوس کے فاصلے پر) رجیع کے مقام پر پہنچی تو غداروں نے بدعہدی کی اور اپنے قبیلوں (بنولحیان، عضل وقارہ) میں سے ایک سو (اور ایک دوسری روایت کے مطابق دوسو) مسلح آدمیوں کو بلا لائے۔حضرت عاصمؓ اپنی فراست باطنی سے سمجھ گئے کہ ان لوگوں کی نیت نیک نیک نہیں ہےاور یہ ہمیں قتل یا گرفتار کرنا چاہتے ہیں تاہم انہوں نے عزم واستقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔مشرکین نے پہاڑی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور مسلمانوں سے کہا کہ نیچے اُتر آؤ ہم تم کو پناہ دیتے ہیں۔

حضرت عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''مسلمانو! میں کسی مشرک کی پناہ نہ لوں گا''۔یہی بات انہوں نے مشرکین سے بھی بآواز بلند کہی اور ساتھ ہی دُعا کی ،الٰہی ہمارے حال کی خبر رسول اللہﷺ کو کر دے۔اِس پر دشمنوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔مجاہدین نے بھی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور بہت سے کافروں کا جہنم واصل کیا لیکن دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اِن کے تیروں کی بوچھاڑ سے حضرت عاصمؓ بن ثابت اور ان کے ساتھ رفقاء نے جامِ شہادت پیا اور دو (حضرت خُبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ) کافروں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے ''اُسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ شہادت سے پہلے حضرت عاصمؓ بن ثابت نے بڑے خشوع وخضوع سے بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی تھی کہ ''الٰہی میری اِس طرح حفاظت

کیجیو کہ نہ میں کسی مشرک کو مس کروں اور نہ کوئی مشرک مجھے چھو سکے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اِس تمنا کو اس طرح پورا کیا کہ جب وہ شہید ہو گئے تو شہد کی مکھیوں (یا بھڑوں) کا ایک بہت بڑا غول ان کی لاش پر بھیج دیا جو کسی مشرک کو قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ بالآخر انہوں نے تھک ہار کر یہ طے کیا کہ رات کو جب مکھیاں (یا بھڑیں) چلی جائیں گی اِس وقت عاصمؓ کا سر کاٹ لیں گے۔ خدا کی قدرت رات کو اِس قدر بارش ہوئی کہ اِس کے پانی نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی اور حضرت عاصمؓ کا جسدِ اطہر اسی سیلاب میں بہہ گیا۔ مشرکین نے اِس کو ہر چند تلاش کیا لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ اللہ طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پاکباز بندے کی بات کی لاج رکھ لی۔

ایک روایت میں حضرت عاصمؓ کا یہ قول منقول ہے کہ جس روز میں نے اسلام قبول کیا اِسی دن سے عہد کر لیا کہ آج سے نہ کسی کافر اور مشرک سے ہاتھ ملاؤں گا نہ اس کو چھوؤں گا، نہ اپنا جسم اِس کو چھونے دوں گا نہ کسی مشرک کی امان قبول کروں گا اور نہ اِس کا ذمی ہوں گا۔ چنانچہ اپنے اِس عہد کو وہ زندگی بھر نباتے رہے اور ان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کی حفاظت کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جس دن حضرت عاصمؓ نے شہادت پائی بادل کا ایک ٹکڑا بھی آسمان پر نہ تھا، لیکن رات کا مطلع ابر آلود ہو گیا اور اِس کثرت سے بارش ہوئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے عاصمؓ کو مرنے کے بعد کافروں سے اِسی طرح محفوظ رکھا جس طرح وہ زندگی میں کافروں کے چھونے سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت عاصمؓ نے اپنے پیچھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑے۔ ان کی صاحبزادی کا نام جمیلہ تھا اور وہ حضرت عمر فاروقؓ سے منسوب تھیں۔ ان کے بطن سے اللہ نے حضرت عمر فاروقؓ کو فرزند عطا کیا تو انہوں نے اِس کا نام اپنے جلیل القدر خسر (اور بچے کے نانا) کے نام پر عاصم رکھا۔ حضرت عاصمؓ کے بیٹے کا نام محمدؒ تھا۔ عرب کا نامور شاعر احوص محمدؒ بن عاصمؓ ہی کا فرزند تھا۔

سیدنا حضرت عاصمؓ بن ثابت نے اپنے جوشِ ایمان، اخلاصِ عمل، حبِ رسول، جانبازی اور

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

تعمیر ملت

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

چراغ راہ
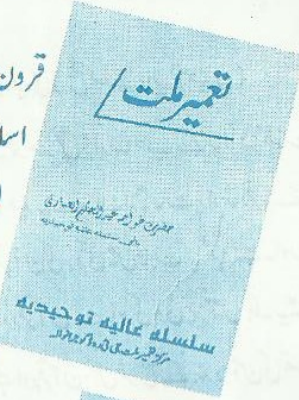
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

طریقت توحیدیہ

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔
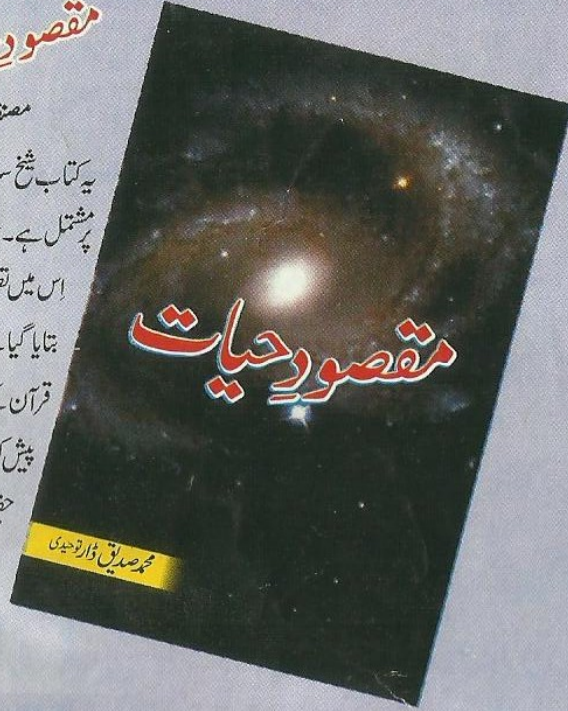
فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔
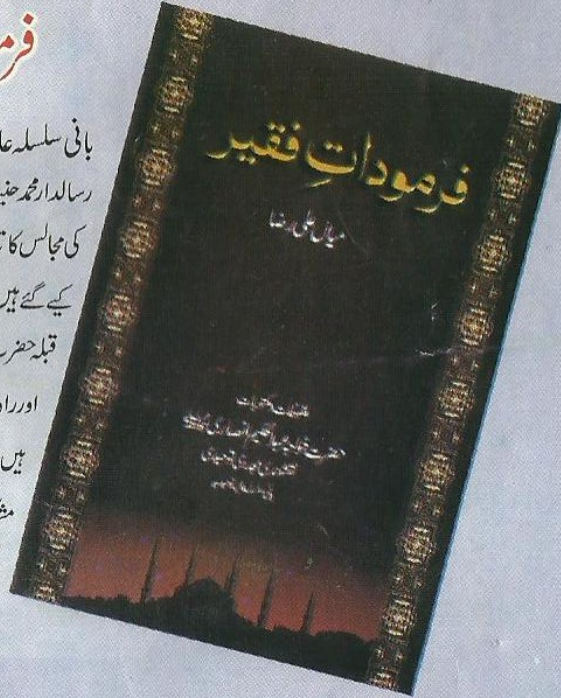
Reg: SR - 01
Website: www.toheedia.net